زیر سرپرستی داعیٔ اسلام شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

ماہنامہ

خضرِ راہ

جلد 01

شمارہ 10

اکتوبر ۲۰۱۳

ذی قعدہ/ ذی الحجہ ۱۴۳۴

مدیر اعلیٰ : شوکت علی سعیدی

مدیر مسئول : محمد جہانگیر حسن

معاون مدیر : ضیاء الرحمٰن علیمی

معاون مدیر : اشتیاق عالم مصباحی

مولانا حسن سعید صفوی

نگراں اعلیٰ شاہ صفی اکیڈمی

نوٹ: مضمون نگار کے افکار ونظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ ادارہ

مجلس منتظمہ

نگراں : غلام مصطفیٰ ازہری

سرکولیشن منیجر : محمد اختر رضا

کمپوزر : ظفر عقیل سعیدی

تزئین کار : محمد طارق رضا

ترسیل زر کا پتہ

Shah Safi Academy, HDFC Bank, B.O.:Salahpur A/c : 22631450000118, IFSC CODE HDFC 0002263
Shah Safi Academy, BANK OF BARODA, A/c : 48810100001809 IFSC CODE BARBORASKOI, MICR CODE : 21101154

قیمت فی شمارہ	: ₹ 25
قیمت فی شمارہ (لائبریری اور سرکاری ادارے)	: ₹ 40
قیمت سالانہ (سادہ ڈاک)	: ₹ 250
قیمت سالانہ (رجسٹری ڈاک)	: ₹ 500
لائبریری اور سرکاری ادارے	: ₹ 500
بیرون ممالک	: $40
اعزازی ممبر شپ	: ₹5000

ڈرافٹ
SHAH SAFI ACADEMY
کے نام بنوائیں

مراسلت کا پتہ

ماہنامہ خضرِ راہ

KHIZR-E-RAH (MONTHLY)
SHAH SAFI ACADEMY
JAMIA ARIFIA, Saiyed Sarawan,
Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213
E-mail : khizrerah@gmail.com
Mob.: 9312922953, 7752976664

نوٹ: رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوگا

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER SHAUKAT ALI
PRINTED BY KAINAT PUBLICATION & PRINTERS, 14-H, SOUTH HOUSING SCHEME, TULSIPUR, ALLAHABAD and published from JAMIA ARIFIA Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213. Editor - Shaukat Ali

ناشر: شاہ صفی اکیڈمی / جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

خضر راہ

نعت ومنقبت:	منشی عزیز اللہ شاہ، ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۳	عرفانی مجلس:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۴
اداریہ:	جہاں گیر حسن مصباحی	۵	دعوت قرآن:	ذیشان احمد مصباحی	۷
ضیائے حدیث:	مقصود عالم سعیدی	۱۰	شہ پارۂ اسلاف:	شیخ شہاب الدین سہروردی	۱۴
اسرار التوحید:	شیخ محمد بن منور	۱۹	شخصیت:	سید قمر الاسلام	۲۳

علم و عرفان

مضامین	مضمون نگار	صفحہ
جھوٹے راوی کے سبب حدیث کے موضوع ہونے کا مسئلہ	غلام مصطفیٰ ازہری	۲۷
عقیدۂ شفاعت: قرآن وحدیث کی روشنی میں	ضیاء الرحمٰن علیمی	۳۲
مقاصد شریعت	امام الدین سعیدی	۳۵
خیر امت کے فرائض	مجیب الرحمن علیمی	۴۰
دین اخلاص کا نام ہے	عبد الباری مصباحی	۴۲
غیبت حرام ہے	محمد مدثر رضا مصباحی	۴۵
حج کے اسرار	شاہ ولی اللہ دہلوی	۵۰
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے...	سید قمر الاسلام	۵۲
قربانی: قرب الٰہی کا ذریعہ	اصغر علی مصباحی	۵۵
آپ کے SMS	قارئین کرام	۵۹
مشکل الفاظ کے معانی اور مفاہیم	ادارہ	۶۱

نعت و منقبت

غلغلہ ہے ان کی رحمت کا

کلام پاک شاہد ہے محمد کی نبوت کا
عدوِ حق ہے جو منکر ہو احمد کی رسالت کا

وہ عبدیت جو اِنّی عَبدہٗ کہنے سے ظاہر ہے
کیا ان کے سوا کس نے ادا حق اس عبادت کا

جو اُن کا ہو رہے ہوجائیں وہ اس کے بلاشبہ
زمیں سے آسماں تک غلغلہ ہے ان کی رحمت کا

جو نابینا ہو اس کو چاہیے کانوں سے سن لینا
فَتَرْضٰی سے عیاں ہے مرتبہ ان کی شفاعت کا

نظر گر ہے تو ان پر ہے نظارہ ہے تو ان کا ہے
عؔزیز آنکھوں میں دل آئینہ ہے ان کی محبت کا

منشی عزیز اللہ شاہ قدس اللہ سرہٗ

آیت رحمت

اک تیرا تصور ہی مستوں کی تلاوت ہے
واللہ یہی صورت بس آیت رحمت ہے

جس کو نہ یقین آئے وہ دیکھے یہاں آکر
کیا شان خداوندی مرشد کی حقیقت ہے

خدمت میں تری آکر معلوم ہوا مجھ کو
کعبہ ہے خمِ ابرو، قبلہ تری صورت ہے

اس زاہد خود سر کو معلوم نہیں شاید
دنیائے محبت میں بس عشق عبادت ہے

آیات قرآنی سے یہ درس ملا مجھ کو
بس تیری اطاعت ہی مولیٰ کی اطاعت ہے

ہے فخر سعیؔد ہم کو ترے در کی گدائی میں
کیا تیری غلامی سے بڑھ کر کوئی دولت ہے

شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی

عرفانی مجلس

افادات: حضرت داعی اسلام شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

ناظم اور صدر کیسا ہو؟

۲۰ر دسمبر ۲۰۱۱ مطابق ۲۴ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ بروز منگل صبح کے وقت قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ مرشدی حضور داعی اسلام **حفظہ اللہ** نے کاغذ طلب فرمایا اور خلیفہ، امام، ناظم، صدر، سجادہ نشیں (متولی)، امیر، ڈائرکٹر، یا کسی بھی تنظیم کے اہم کارکن، اصحاب حل وعقد کی صفات وشرائط بیان فرمائی اور اہم نکات کو قلمبند فرمایا۔

آپ نے فرمایا کہ کسی بھی دینی تحریک وتنظیم کے اصحاب حل وعقد کے اندر مندرجہ ذیل سات شرطیں ہونی چاہیے۔

۱۔مسلم ۲۔عاقل ۳۔بالغ ۴۔عالم ۵۔عادل

۶۔قرشی (بہادر) ۷۔سنی صحیح العقیدہ

ان صفات کے حامل دس لوگ ہوں جو اصحاب حل وعقد ہوں اور ان کا امیر مذکورہ صفات کے علاوہ ایک اور صفت رکھتا ہو کہ اس کی صحبت واجازت کا سلسلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک متصل ہو۔

کسی بھی دینی تنظیم کے ممبران کے انتخاب میں ان صفات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے، تاکہ صحیح طور سے دین کا کام ہو سکے۔ کسی بھی متقی امام یا عالم کا فاسق وفاجر صدر یا ناظم کے ماتحت رہنا علمِ دین کی توہین ہے۔

(ترتیب: مجیب الرحمن علیمی)

✲✲✲

جہاں گیر حسن مصباحی

ہم قربانی کیوں کریں؟

محترم قارئین! جب یہ رسالہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا آپ سبھی لوگ عید قرباں کی تیاری میں منہمک ہوں گے اور قربانی کے لیے جانوروں کی خرید وفروخت کر رہے ہوں گے۔ یہ واقعی ایک نیک عمل ہے لیکن کبھی آپ نے سوچا بھی ہے کہ جس واجب عمل کی ادائیگی کے لیے آپ اپنی گاڑھی کمائی خرچ کر رہے ہیں اس سے کچھ مقصد حاصل ہو بھی رہا ہے یا نہیں۔

آج قربانی کے سلسلے میں جو ہمارا حال ہے وہ قابل رحم ہے۔ ایک تو ہم جو قربانی کرتے ہیں وہ نہ تو سنت براہیمی کے مطابق ہو پاتی ہے اور نہ ہی اس قربانی سے ہم کو رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم یا تو نام ونمود کی خاطر قربانی کرتے ہیں یا پھر گوشت کھانے کے لیے اور یہ دونوں عمل قربانی کی روحانیت کے منافی ہے۔ ایسا بارہا دیکھا جاتا ہے کہ بڑے جانور کی قربانی ہونے کے بعد جب گوشت کی تقسیم کا مرحلہ آتا ہے تو کوئی ''سری'' کے لیے ناک بھوں چڑھاتا ہے تو کوئی ''پائے'' لینے کے لیے الجھ بیٹھتا ہے، گویا اُسے ثواب سے کوئی غرض نہیں، بلکہ وہ تو محض ''سری'' اور ''پائے'' حاصل کرنے کے لیے قربانی کرتے ہیں۔ کچھ لوگ تو مہینوں قربانی کا گوشت مزے لے لے کر کھاتے ہیں یہ اور بات ہے کہ اُس کا غریب پڑوسی قربانی کا گوشت کھانے کے لیے ترس جاتا ہے؛ لیکن قربانی کرنے والے امیر کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ ہم قربانی اسی لیے کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت اور ان کی یادگار ہے۔ لیکن قربانی میں جو روحانیت ہے اس سے ہم کوسوں دور ہوتے ہیں، کیوں کہ براہیمی جذبے کا ذرہ برابر حصہ بھی ہمارے اندر موجود نہیں ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم یہ جانیں کہ حضرت ابراہیم نے پہلے سو اونٹوں کی، پھر دو سو اونٹوں کی اور اخیر میں تین سو اونٹوں کی قربانی کیوں کی اور پھر ایک دن آنکھوں کا تارا، جان سے عزیز اور ضعیفی کا سہارا حضرت اسمٰعیل جیسا پیارا بیٹا بھی قربان کرنے کے لیے کیوں نکل پڑے؟ تو اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ جس کی طلب صرف اور صرف رضائے الٰہی ہو، اس کی نظر میں بھلا دنیاوی رشتے کیا معنی رکھتے ہیں اور وہ اپنا بیٹا ہی کیا بلکہ اپنی جان بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر قربان کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔

اِدھر ابلیس نے جب یہ دیکھا تو اُس کے سینے پر سانپ لوٹنے لگا، آخر وہ یہ کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ کوئی اللہ کا خلیل اور عزیز ہو جائے۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے حضرت ہاجرہ کے پاس پہنچا اور اُنھیں ورغلانے کی کوشش کی، پھر حضرت ابراہیم اور پھر حضرت اسمٰعیل کو ایک ایک کر کے راہ حق سے بہکانے

کی کوشش کی مگر جب تینوں افراد کا یہ جواب سنا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر اور اس کی رضا کے لیے قربان ہونے کی بات ہے تو اس سے بڑی خوش بختی اور اس سعادت سے بڑھ کر ایک بندے کے لیے اور کیا بات ہوسکتی ہے، لہٰذا شیطان اپنا سا منھ لے کر رہ گیا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو طاعت الٰہی سے نہ روک سکا۔

گویا حضرت ابراہیم، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہم الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سچ کر دکھایا کہ:

شیطان کا بس میرے مخلص بندوں پر چلنے والا نہیں ہے۔

ابلیس نے مردودِ بارگاہ ہوتے وقت یہ کہا تھا کہ:

یا اللہ! مجھے یہ طاقت دے کہ قیامت تک تیرے بندوں کو راہ حق سے بھٹکاتا رہوں۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

جا! تجھے اجازت دی، لیکن یہ یاد رکھنا کہ جو بھی میرا نیک بندہ ہوگا وہ کبھی بھی تیرے بہکاوے میں نہیں آئے گا۔

مذکورہ باتوں پر غور کریں تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ حضرت ابراہیم کی قربانی کا مقصد نہ تو کثرت سے اونٹوں کی قربانی کرنا تھا اور نہ ہی گوشت کھانا مقصد تھا، بلکہ بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کیسے راضی ہوجائے اور اس کی رضا کیسے حاصل ہو۔ لہٰذا آئینے کی طرح یہ بات صاف ہوگئی کہ قربانی کا اصل مقصد نہ تو کثرت سے اونٹوں (یا دوسرے حلال جانوروں) کی قربانی کرنا ہے اور نہ گوشت کھانا ہے، بلکہ اس کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے اللہ کی رضا کا حصول۔ اب اگر ہم لاکھوں لاکھ کی قربانی کریں اور ایک نہیں بے شمار جانوروں کی قربانی کریں، مگر اس کا مقصد صرف گوشت کھانا ہو، اس سے اللہ کی رضا کا حصول نہ ہو تو پھر یہ قربانی، قربانی نہیں، بلکہ یہ ایک عام ذبیحہ ہے، جس سے گوشت تو حاصل ہوسکتا ہے ثواب نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی قربانی مقبول ہے جو نام ونمود اور دکھاوے سے پاک ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴿۳۷﴾ (حج)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو نہ تو قربانی کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ اس کا خون؛ لیکن اللہ کی بارگاہ میں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ قربانی کرتے وقت نہ تو نام ونمود کی خواہش رکھیں، نہ گوشت کھانے کی تمنا رکھیں اور نہ ہی کثرت سے جانوروں کی قربانی کو اصل جانیں، بلکہ قربانی کی اصل روح کو پہچانیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر آمنا وصدقنا کہتے ہوئے عمل کریں، جیسا کہ حضرت ابراہیم نے عمل کیا کہ اُنھوں نے اللہ کی مشیت اور مرضی میں اپنی خواہش اور مرضی کو گم کر دیا، فنا کر دیا، کیوں کہ ہمارا جینا اور مرنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تو ہے:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾

(سورۂ انعام)

ترجمہ: واقعی میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے: ؎

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

☆☆☆

ذیشان احمد مصباحی

رسالت محمدی کا اقرار

ایک ہی راستہ ہے امن واماں کا

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ (بقرہ)

ترجمہ: ہم نے اپنے بندے پر جو کچھ نازل کیا ہے اگر تمھیں ان میں سے کسی بات میں شک ہو تو اس جیسی کوئی ایک سورہ ہی لے آؤ اور اس کے لیے اللہ کے علاوہ اپنے دیگر مددگاروں کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو، اور اگر تم یہ نہ کر سکے اور یقیناً ہرگز نہ کر سکو گے، تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جسے منکرین کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

اس کائنات کے خالق و مالک کے تعلق سے دو باتوں کا جاننا ضروری ہے:

پہلی بات: وہ کون ہے اور اس کی صفات کیا ہیں؟

دوسری بات: وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟

پہلی بات کا علم توحید کا علم ہے۔ یہ بات بڑی حد تک عقل سے جانی جاسکتی ہے۔ اس سے پہلے والی آیات میں اسی کی طرف انسانی ذہن کو متوجہ کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

”اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا تاکہ تمھیں تقویٰ حاصل ہو۔ جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش اور آسمان کا شامیانہ لگایا اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھلوں کو پیدا کیا۔ لہٰذا حقیقت جانتے ہوئے دوسروں کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔“ (بقرہ۲۲-۲۱)

خالق کائنات کے تعلق سے دوسری بات (وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟) کا علم کیسے ہو؟ اس کا صرف ایک ذریعہ ہے۔ یہ ایمان بالرسالۃ کا ذریعہ ہے۔ خالق کائنات نے اپنے بندوں تک اپنے پیغامات واحکامات کو پہنچانے کے لیے اپنے بعض صالح بندوں کو منتخب کرلیا۔ ان منتخب بندوں کو نبی، رسول، پیغمبر اور Prophet کے نام سے جانا جاتا ہے۔ خالق ومخلوق اور عابد ومعبود کے درمیان واسطہ (Mediator) بننے کے لیے صالح بندوں کے انتخاب کا سلسلہ پہلے انسان حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے انتخاب سے شروع ہوگیا تھا اور یہ سلسلہ بعد کے ادوار میں بھی جاری رہا۔ قرآن کے مطابق ہر قوم میں کوئی نہ کوئی پیغمبر ضرور پہنچا۔ بعض روایتوں میں پیغمبروں کی

تعداد بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ تعداد لاکھوں میں ہے۔اس سلسلے کی آخری کڑی خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

پیغمبروں کے وصال کے بعد ان سے ہدایت پانے کا واحد ذریعہ ان کی تعلیمات ہیں جو ان کے بعد کتابی شکل میں محفوظ ہوئیں۔بعض پیغمبر ایسے بھی ہیں جن پر باضابطہ کتابیں نازل ہوئیں جیسے حضرت موسیٰ پر توریت، حضرت داؤد پر زبور، حضرت عیسیٰ پر انجیل اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن۔قرآنی بیانات کے مطابق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری نبی و رسول ہیں اور ان ہی کی تعلیمات قیامت تک کے لیے رہنما ہیں، بطور خاص وہ کتاب جو ان پر نازل ہوئی وہ ھدی للناس ہے اور قیامت تک لوگ اس سے نور ہدایت حاصل کرتے رہیں گے۔

آج پچھلے انبیا کی تعلیمات محفوظ نہیں ہیں۔ چنانچہ بائیبل (Old & New Testaments) کا اصل متن آج دستیاب نہیں ہے اور جو دستیاب ہے وہ درمیان میں صدیوں تک غائب رہا ہے۔پیغمبر ایران کہے جانے والے زرتشت (Zoroaster) کی شخصیت اور تعلیمات تو ہماتی پردوں کے پیچھے ہے۔ان کی کتاب اوستا (Avesta) اپنی اصل شکل اور سائز میں دستیاب نہیں ہے۔سرزمین ہند پر مذہبی رہنما سمجھے جانے والے رام اور کرشن کی شخصیتیں تاریخی سے زیادہ دیومالائی ہیں۔پھر ان کی تعلیمات مرتب شکل میں موجود نہیں، جو غیر مرتب تعلیمات ہیں بھی ان کا ناقل کون ہے اور اس نے کس سے نقل کیا ہے اس کا پتہ نہیں، پھر وہ تعلیمات حیات انسانی کے تمام گوشوں میں رہنمائی کے لیے ناکافی ہیں۔گوتم بدھ اور مہاویر جین کا حال بھی کچھ اس سے مختلف نہیں ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سب سے مختلف اور سب میں منفرد ہے۔آپ تاریخ کے اجالے میں پیدا ہوئے۔آپ کی شخصیت اور تعلیمات دونوں حرف بہ حرف محفوظ ہیں۔جو کتاب آپ پر نازل ہوئی یہ واحد ایسی آسمانی کتاب ہے جو اپنی اصل شکل وصورت میں موجود ومحفوظ ہی نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کو حفظ بھی ہے۔اس لیے ہدایت ورہنمائی کے لیے اس کے بغیر چارہ نہیں کہ انسانیت بارگاہ محمدی کی طرف رخ کرے اور ان کے نور سے اپنے ظاہر و باطن کو روشن کرے۔

رہا یہ سوال کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اس کی کیا دلیل ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل خود قرآن ہے۔قرآن پیغام محمدی بھی ہے اور دلیل نبوت محمدی بھی۔قرآن نے مختلف موقع سے مختلف لہجے میں اپنی صداقت کا اعلان کرتے ہوئے رسالت محمدی میں شک کرنے والوں کو چیلنج کیا ہے۔مثلاً:

’’آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان و جنات قرآن جیسی کوئی کتاب لانے کے لیے متحد ہو جائیں تب بھی وہ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔‘‘ (اسرا:۸۸)

’’کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد نے اسے گڑھ لیا ہے۔چلو اس

جیسی دس سورتیں گڑھ کرتم بھی لے آؤ اور اس کے لیے اللہ کے سوا تم جسے چاہو اپنے ساتھ کرلو، اگر تم سچے ہو۔" (ہود: ۱۳)

"ہم نے اپنے بندے پر جو کچھ نازل کیا ہے اگر ان میں سے کسی بات پر تمھیں شک ہو تو اس جیسی کوئی ایک سورہ ہی پیش کر دو۔" (بقرہ: ۲۳)

"اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی کوئی ایک بات ہی پیش کر دیں۔" (طور: ۳۴)

قرآن کی صداقت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شک کرنے والوں کو قرآن پچھلے ساڑھے چودہ سو برسوں سے یہ چیلنج کرتا آ رہا ہے اور شک کرنے والوں کی طرف سے مسلسل خاموشی ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کا جواب بھی دیا مگر وہ جواب کیا ہے ان کے فکری دیوالیہ پن کا دستاویز ہے۔ مثلاً قرآن میں ایک سورہ "سورۃ العصر" کے نام سے ہے اور وہ یہ ہے:

وَ الْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③ (عصر)

قسم ہے زمانے کی، یقیناً تمام انسان گھاٹے میں ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لے آئے اور نیک اعمال کیے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کی۔

اس کے جواب میں مدعی نبوت مسیلمہ کذاب نے یہ مضحکہ پیش کیا۔

یَا وَبْرُ یَا وَبْرُ، اِنَّمَا اَنْتَ اُذْنَانِ وَصَدْرٌ، وَسَائِرُكَ حَقْرٌ فَقْرٌ۔

"اے جنگلی چوہے، اے جنگلی چوہے، تم دو کان اور ایک سینہ ہو اور اس کے علاوہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔"

(ابن کثیر، تحت سورہ بقرہ، آیت: ۲۴-۲۳)

خیر! قرآن کے ان چیلنجز کے بعد صرف دو ہی راستے رہ جاتے ہیں اور وہ یہ کہ جنھیں قرآن کی صداقت اور محمد رسول اللہ کی رسالت میں شک ہو وہ قرآن کی مثال پیش کریں اور بصورت دیگر قرآن کی صداقت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آئیں۔ تیسرا آپشن صرف وہ ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

"تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جسے منکرین کے لیے تیار کیا گیا ہے۔" (بقرہ: ۲۴)

مذاہب سابقہ کے غیر محفوظ ہونے اور رسالت محمدی کی صداقت واضح ہو جانے کے بعد انسانی ہدایت کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ پوری انسانیت رسالت محمدی پر ایمان لے آئے، قرآنی احکام کو اپنی زندگی میں اتار کر اپنے خالق و مالک کی مشیت و مرضی کے مطابق زندگی گزارے اور اس کے لیے سیرت محمدی کو اپنے لیے آئیڈیل بنائے۔

✲✲✲

مقصود عالم سعیدی

نام ونمود اور شہرت طلبی کے نقصانات

اس پرفتن دور میں اعمال صالحہ کا قحط سا پڑتا جا رہا ہے۔ اولاً تو ہم کوئی نیک عمل کرتے ہی نہیں اور اگر کرتے بھی ہیں تو اللہ رب العزت کی خوشی اور اس کی رضا کے لیے نہیں بلکہ لوگوں میں اپنی شہرت اور عزت کی خاطر کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و احادیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو صرف اور صرف اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے کام کرنا چاہیے، کیونکہ وہی اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محمود اور مقبول ہیں جن کا مقصود صرف اللہ کی رضا جوئی ہو اور جو اعمال مکاری میں کیے جائیں اور محض مخلوق کو دکھانے کے لیے ہوں اور جن کا مقصود صرف لوگوں کی نظروں میں اپنی مقبولیت اور شہرت ہو، وہ خالق کائنات کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہیں۔

یہاں چند احادیث کریمہ پیش کی جا رہی ہیں جن سے ریاکاری، مکاری اور شہرت خواہی کے نقصانات کی وضاحت ہوتی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ، فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتُشْهِدْتُ، قَالَ: كَذَبْتَ، وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ: جَرِيءٌ، فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ، وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ، فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ، وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ، قَالَ:

كَذَبْتَ، وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ: عَالِمٌ، وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ: هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللهُ عَلَيْهِ، وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ، فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ:

فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ، قَالَ: كَذَبْتَ، وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ: هُوَ جَوَادٌ، فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ، ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ۔ (مسلم، باب من قاتل للریا)

ترجمہ: روز قیامت لوگوں میں سب سے پہلے اس شخص کا حساب ہوگا جو (اللہ کی راہ میں) شہید کیا گیا ہے۔ پس اس بندے کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی وہ نعمتیں یاد دلائے گا (جو اُسے دنیا میں عطا کی تھی) وہ بندہ ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا، پھر اللہ عزوجل فرمائے گا:

تو نے دنیا میں (میری رضا کے لیے) کیا کیا؟

چنانچہ بندہ کہے گا میں تیرے لیے لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا، (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

تو نے جھوٹ بولا، لیکن ہاں! تو نے جنگ اس لیے کی

تاکہ تجھے بہادر کہا جائے تو وہ کہہ لیا گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں حکم فرمائے گا (کہ اس کو منھ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو)، پس اس کو منھ کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

دوسرا وہ شخص ہوگا جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور قرآن پڑھا اور پڑھایا، اس کو بھی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمتوں کا اعتراف کروائے گا اور جب وہ ان نعمتوں کا اعتراف کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا:

تونے میرے لیے کیا کیا؟

چنانچہ وہ جواب دے گا: میں نے علم سیکھا اور سکھایا اور تیری رضا کی خاطر قرآن پڑھا اور پڑھایا۔ (یہ سن کر) اللہ رب العزت فرمائے گا:

تو جھوٹ بول رہا ہے، تونے علم صرف اس لیے سیکھا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لیے پڑھا اور پڑھایا کہ تجھے قاری کہا جائے، پس وہ کہہ لیا گیا۔

پھر اس کے بارے میں بھی حکم ہوگا تو اُسے بھی چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اور تیسرا وہ شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے کشادگی عطا کی اور ہر قسم کے مال سے نوازا۔ چنانچہ اُسے بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ بھی تمام نعمتوں کا اعتراف کرے گا، پھر اللہ رب العزت فرمائے گا:

تونے دنیا میں (میرے لیے) کیا کیا؟

چنانچہ وہ بندہ کہے گا: میں نے تیرے لیے ان تمام راہوں میں مال خرچ کیا جس میں خرچ کیا جانا تجھے محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بول رہا ہے، تونے یہ سب اس لیے کیا ہے، تاکہ تجھے سخی اور کریم کہا جائے، پس وہ کہہ لیا گیا۔ پھر اس کے بارے میں بھی حکم ہوگا تو اُسے بھی منھ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ (مسلم، باب تحریم ظلم المسلم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال و متاع کو نہیں دیکھتا (کیوں کہ اس کے نزدیک نہ تو اچھی بری صورت کی کوئی حیثیت اور نہ ساز وسامان کی کمی اور زیادتی کی کوئی اہمیت) بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

یعنی اس کے یہاں بس اس چیز کو دیکھا جاتا ہے کہ تمہارے دل میں یقین وصدق اور اخلاص وغیرہ ہے یا نفاق و ریا اپنا گھر بنائے ہوئے ہے۔ یونہی اس کے یہاں اچھے برے اعمال کا اعتبار ہے جس کے مطابق وہ تمھیں جزا وسزا دے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتِلُونَ الدُّنْيَا بِالدِّينِ يَلْبَسُونَ لِلنَّاسِ جُلُودَ الضَّأْنِ مِنَ اللِّينِ، أَلْسِنَتُهُمْ

أَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ، وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَبِي يغترون، أَمْ عَلَيَّ يجترؤن؟ فَبِي حَلَفْتُ لَأَبْعَثَنَّ عَلٰى أُولٰئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ مِنْهُمْ حَيْرَانًا۔ (سنن ترمذی، باب:۵۹)

ترجمہ: آخر زمانے میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو دین کے نام پر دنیا کے طلب گار ہوں گے (یعنی دینی واُخروی اعمال کے ذریعے دنیا کمائیں گے، مکاری اور تواضع کا اظہار کر کے لوگوں پر اثر ڈالنے کے لیے دنبے کی کھال کا لباس پہنیں گے (تاکہ لوگ انھیں عابد وزاہد، دنیاوی نعمتوں سے لاپرواہ اور آخرت کے طلب گار سمجھ کر ان کے معتقد ہوجائیں) ان کی زبان شکر سے زیادہ میٹھی ہوگی لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے دل کی طرح ہوں گے۔ (یعنی ان کی باتیں تو بہت اچھی معلوم ہوں گی، ان کی گفتگو سن کر لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ ہمارے بڑے غم خوار اور خیر خواہ ہیں اور ان کے دل میں دین وملت کا درد پوشیدہ ہے لیکن یہ صرف ذاتی منافع کے لیے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ (ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے) فرماتا ہے: کیا یہ لوگ میری طرف سے مہلت دیے جانے اور ڈھیل دیے جانے کے سبب مغرور ہو گئے ہیں اور فریب میں مبتلا ہیں۔ پس میں اپنی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں یقیناً ان لوگوں پر انھیں میں سے فتنہ وبلا مسلط کر دوں گا۔ (ان لوگوں میں ایسے امرا وحکام متعین کر دوں گا جو اُن کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیں گے) اور وہ آفات ومصائب بڑے سے بڑے دانشور کو بھی عاجز وحیران کر دیں گے۔

حضرت ابوتمیم بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت صفوان اور ان کے ساتھیوں کی مجلس میں اس وقت حاضر ہوا جب حضرت جندب، حضرت صفوان اور ان کے ساتھیوں کو نصیحت فرما رہے تھے۔

پھر حضرت صفوان اور ان کے ساتھیوں نے ان سے کہا کہ آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے، حضرت جندب نے یہ حدیث بیان کی کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ وَمَنْ شَاقَّ شَقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَقَالُوْا أَوْصِنَا. فَقَالَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا يَنْتُنُ مِنَ الْإِنْسَانِ بَطْنُهٗ فَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَّا يَأْكُلَ إِلَّا طَيِّبًا فَلْيَفْعَلْ وَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَّا يُحَالَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ بِمِلْءِ كَفٍّ مِّنْ دَمٍ إِهْرَاقَهٗ فَلْيَفْعَلْ۔

(بخاری، باب من شاق شق اللہ علیہ)

ترجمہ: جوشخص برائے شہرت کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کو ذلیل کرے گا اور جو شخص (دکھاوے کے لیے) اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن مشقت میں ڈالے گا۔ (یہ سن کر) انھوں نے کہا: ہمیں کوئی نصیحت فرمائیے تو آپ نے فرمایا:

انسان کی جو چیز سب سے پہلے خراب ہوتی ہے وہ اس کا پیٹ ہے، پس جو شخص اس کی قدرت اور استطاعت رکھتا ہو کہ (اپنے پیٹ کو حرام چیز سے بچائے رکھے) اور صرف حلال غذا استعمال کرے تو بے شک اُسے ایسا ہی کرنا چاہیے

اور جو شخص اس کی قدرت رکھتا ہو کہ (کسی کا خون بہانے کی وجہ سے) اس کے اور جنت کے درمیان ناحق بہایا جانے والا ایک چلّو خون حائل نہ ہو تو بے شک اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے کہ کسی کا ایک چلّو بھی ناحق خون اس سے نہ بہنے پائے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک موقع پر وہ رونے لگے پوچھا گیا کہ رونے کا سبب کیا ہے انھوں نے جواب دیا کہ مجھے اس بات نے رلایا ہے جو میں نے رسول اعظم علیہ التحیۃ والثنا سے سنی تھی اس وقت وہ بات مجھے یاد آ گئی تو میں رونے پر مجبور ہو گیا اور وہ بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

أَتَخَوَّفُ عَلَى أُمَّتِي الشِّرْكَ، وَالشَّهْوَةَ الْخَفِيَّةَ. قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَتُشْرِكُ أُمَّتُكَ مِنْ بَعْدِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: أَمَا إِنَّهُمْ لَا يَعْبُدُونَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا حَجَرًا وَلَا وَثَنًا، وَلَكِنْ يُرَاءُونَ بِأَعْمَالِهِمْ، وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ، أَنْ يُصْبِحَ أَحَدُهُمْ صَائِمًا، فَتَعْرِضُ لَهُ شَهْوَةٌ مِنْ شَهَوَاتِهِ، فَيَتْرُكُ صَوْمَهُ۔ (مسند احمد، شداد بن اوس)

ترجمہ: میں اپنی امت پر شرک اور چھپی خواہشات سے خوف کھاتا ہوں۔ حضرت شداد کہتے ہیں کہ میں نے (یہ سن کر) عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟

آپ نے فرمایا: ہاں، یاد رکھو! میری امت کے لوگ نہ تو سورج کو پوجیں گے اور نہ چاند کو اور نہ ہی پتھر کو اور نہ ہی بت پرستی کریں گے لیکن لوگوں کو دکھانے کے لیے نیک کام انجام دیں گے۔

اور چھپی خواہش یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص روزے کی حالت میں صبح کرے گا اور پھر اس پر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو جائے گا اور وہ اپنا روزہ توڑ ڈالے گا۔

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ آپس میں مسیح دجال کے فتنوں کا ذکر کر رہے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے اور فرمانے لگے:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ؟ فَقُلْنَا بَلَى، يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: أَلشِّرْكُ الْخَفِيُّ أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ فَيُصَلِّي فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرَى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ۔

(سنن ابن ماجہ، باب الریا والسمعہ)

ترجمہ: کیا میں تمھیں اس چیز کے بارے میں نہ بتادوں جو میرے نزدیک تمہارے حق میں مسیح دجال کے فتنے سے بھی زیادہ خوفناک ہے؟

ہم نے عرض کیا: ہاں، یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ نے فرمایا: وہ چیز شرک خفی ہے (اور شرک خفی یہ ہے کہ) مثلاً ایک آدمی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے اور نماز کے تمام ارکان یا بعض ارکان میں غلو اور زیادتی محض اس لیے کرتا ہے کہ کوئی شخص اس کو نماز ادا کرتے دیکھ رہا ہے۔

☼☼☼

صحبت اور اخوت کے حقوق

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ اپنے عہد کے بلند پایہ عالم اور عظیم صوفی تھے۔آپ کی پیدائش ۵۳۶ ہجری کو ''سہرورد'' میں ہوئی اور وفات یکم محرم ۶۳۲ ہجری کو بغداد میں۔آپ کی مایہ ناز تصانیف میں ''عوارف المعارف'' ہے جو تصوف کے فن پر ایک جامع اور مستند تالیف ہے۔عوام وخواص کی روحانی وعرفانی افادیت کی غرض سے چند منتخب اقتباسات پیش ہیں۔ (ادارہ)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۞ (مائدہ)

ترجمہ: نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرو۔

نیز فرمایا: وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ۔ (عصر)

وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ۔۞ (بلد)

یعنی مومنین ایک دوسرے کو حق کہنے اور رحم کرنے کی ہدایت دیتے ہیں۔

نیز صحابہ کی تعریف میں فرمایا:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۞ (فتح)

ترجمہ: وہ لوگ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم اور ہمدردی کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو حقوقِ صحبت کے آداب سے مطلع کیا گیا ہے، اس لیے جو کوئی کسی کی صحبت اختیار کرے، یا اُسے اپنا روحانی بھائی بنائے تو اس کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ دونوں مل کر نیاز مندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں اور اس سے دوستی اور صحبت میں برکت کے طلب گار بنیں، اس طرح اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت یا دوزخ کا دروازہ کھولے گا، اگر ان دونوں کی صحبت میں خیر وبرکت ہوئی تو وہ بہشت کا دروازہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۞ (زخرف)

ترجمہ: اس دن (قیامت کے روز) پرہیز گاروں کے سوا ہر ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔

کہتے ہیں کہ (قیامت کے روز) ایک روحانی بھائی سے کہا جائے گا کہ: تم بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ اس وقت وہ اپنے بھائی کے ٹھکانے کے بارے میں دریافت کرے گا، اگر وہ کم درجے پر ہوا تو وہ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کے بھائی کو اس جیسا درجہ نہ دیا جائے، جب اس سے کہا جائے گا کہ: اس کے اعمال تمہارے جیسے نہیں تھے، تو وہ کہے گا: میں اپنے اور اس کے لیے عمل کرتا تھا۔ لہٰذا جو وہ طلب کرے گا اُسے ملے گا اور آخر کار نہ صرف اس کا درجہ بلند ہوگا بلکہ اس کے روحانی بھائی کا درجہ بھی بلند ہوگا۔

بری صحبت

اگر ان دونوں کی صحبت سے برائی ظاہر ہوئی تو یہ دوزخ کا دروازہ ہوگا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ

اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا ﴿۲۸﴾ (فرقان)

ترجمہ: اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا۔ کاش! رسول کی طرف میرا راستہ ہوتا۔ افسوس کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔

یہ آیت اگرچہ مشہور واقعہ میں نازل ہوئی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اپنے بندے کو خبردار کیا ہے کہ وہ ہر اس دوست سے کنارہ کش ہے جو اُسے اللہ تعالیٰ سے دور کرے۔

نیت اور چھان بین کیے بغیر اتفاقاً کسی کی صحبت اور دوستی اختیار کرنا غافل اور جاہل نادانوں کا شیوہ ہے جو کاموں کی نیت، مقاصد اور ان کے نفع اور نقصان سے واقف نہیں ہوتے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

انسانوں کو دوسرے لوگ ہی خراب کرتے ہیں۔

صحبت میں احتیاط

صحبت سے بگڑنے کا اندیشہ بھی ہے اور سنورنے کی توقع بھی۔ جب یہ حال ہو تو ابتدا ہی سے احتیاط کی ضرورت ہے، بلکہ دوست کا صحیح انتخاب کر کے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا مانگی جائے اور نہ صرف خیر و برکت طلب کی جائے، بلکہ نماز استخارہ بھی ادا کی جائے۔

چونکہ صحبت اور اخوت اختیار کرنا بھی ایک عمل ہے، اس لیے ہر عمل کی طرح اس کے لیے بھی اچھی نیت اور بہتر انجام کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں یہ فرمایا:

سات افراد ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے زیر سایہ ہوں گے، ان میں سے دو آدمی ایسے ہوں گے جو اللہ ہی کے لیے زندگی بھر ایک دوسرے سے محبت کرتے رہے اور اسی حالت میں ان کی موت آئی۔

اس حدیث میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ اخوت و محبت کی یہ شرط ہے کہ ان کا انجام بخیر ہو، تاکہ جانبین کے لیے اخوت کا ثواب لکھا جائے اور جب بھائی چارہ کے حقوق ضائع کر کے اس کو بگاڑ دیا جائے تو یہ عمل شروع ہی سے خراب رہے گا۔

کہتے ہیں اگر کوئی دو آدمی کسی نیک کام میں تعاون کریں تو شیطان ان پر اس قدر حسد نہیں کرتا جس قدر اُسے ان دو آدمیوں پر حسد ہوتا ہے جو روحانی بھائی بن کر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں؛ کیوں کہ شیطان اور اس کا قبیلہ مل کر اس بات کی پوری کوشش کرتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان بگاڑ پیدا کردے۔

روحانی محبت

شیخ فضیل بن عیاض قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ: جب غیبت شروع ہو جائے تو اخوت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روحانی اخوت آمنے سامنے ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وہ بھائی بن کر تخت پر آمنے سامنے ہوں گے۔

لیکن اگر کوئی کسی کے خلاف دل میں رنجش رکھے اور جب اس کی کوئی بات بری لگے تو اس کا اظہار کر کے اس کا خود ازالہ نہ کرے، یا اس سے اس کا ازالہ نہ کرائے تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آمنے سامنے کی بے لاگ دوستی نہیں، بلکہ روگردانی ہے۔

حضرت جنید قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی دو شخص سچے روحانی بھائی بن جائیں، پھر بعد میں کوئی ایک دوسرے سے نفرت کرے تو ضرور کسی نہ کسی میں کوئی خامی ہے، کیوں کہ روحانی دوستی صاف اور شیریں پانی سے بھی

پاکیزہ تر ہے اور جو کام اللہ کے لیے ہوتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ صفائی پیدا کرتا ہے اور جو کام صاف ہو وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے لیکن دائمی اور سچی محبت کا اصول یہ ہے کہ باہمی مخالفت نہ ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو، نہ مذاق کرو اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کرو جو پورا نہ کرسکو۔

شیخ ابو سعید الخراز قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ: میں پچاس سال تک صوفیا کی صحبت میں رہا۔ اس عرصے میں میرے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا۔

ان سے کہا گیا کہ: یہ کیسے ممکن ہوا؟

آپ نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ان کی صحبت میں ہمیشہ اپنے نفس پر غالب رہا۔

شیخ عبداللہ بن الجلاء قدس اللہ سرہٗ سے کسی آدمی نے پوچھا: میں کس شرط پر مخلوق کی صحبت میں رہوں؟

فرمایا: اگر تم ان کے ساتھ نیکی نہیں کر سکتے تو اُنھیں تکلیف بھی نہ دو اور اگر انھیں خوش نہیں کر سکتے تو اُن کے ساتھ برائی بھی نہ کرو۔

مزید یہ بھی فرمایا کہ: اپنے بھائی کی محبت اور دوستی سے فائدہ اٹھا کر اس کی حق تلفی نہ کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے حقوق مقرر کیے ہیں، اس لیے ان کی حق تلفی وہی کر سکتا ہے جو اللہ کی حق تلفی کرتا ہے۔

ذکر خیر

ایک حق صحبت یہ بھی ہے کہ: اگر کسی دوست سے تعلق ختم ہو جائے تو اُس کے بعد بھی وہ اپنے بھائی کا ذکر خیر کرے۔

روایت ہے کہ کسی بزرگ کی ایک بیوی تھی جس کی ناپسندیدہ باتوں کا انھیں علم تھا، تاہم جب لوگ اس کے بارے میں پوچھتے تھے تو یہی فرماتے تھے کہ: مرد کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنی بیوی کے بارے میں کلمہ خیر کہے۔

کچھ عرصے کے بعد انھوں نے اسے طلاق دے دی۔

اس کے بعد جب ان سے پوچھا گیا تو فرمایا:

وہ عورت مجھ سے الگ ہوگئی ہے اور میرا اُس سے کوئی تعلق نہیں رہا تو میں اس کا کیا ذکر کروں۔

قطع تعلق اور بغض

یہ در حقیقت اخلاق خداوندی کا اتباع ہے، کیوں کہ اللہ اچھی چیزوں کو ظاہر فرماتا اور بری باتوں کو چھپاتا ہے۔

بہر حال! اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر کسی سے تعلق ختم ہو جائے تو اس آدمی سے بغض رکھنا چاہیے یا نہیں؟

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب میرا دوست اپنی سابقہ حالت کو بدل دے تو میں اس سے اس طرح بغض رکھوں گا جس طرح میں اس سے محبت رکھتا تھا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ: کسی دوست کی صحبت میں رہنے کے بعد اس سے ذاتی بغض نہیں رکھنا چاہیے، البتہ اس کے عمل سے نفرت کی جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾ (شعرا)

ترجمہ: اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں۔

(مذکورہ بالا آیت میں) یہ نہیں کہا گیا کہ: میں تمہاری ذات سے بیزار ہوں۔

ایک روایت ہے کہ ایک نوجوان حضرت ابو الدرداء

رضی اللہ عنہ کی محفل میں بیٹھا کرتا تھا جسے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ اتفاق سے وہ نوجوان کسی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہوا اور اس کی خبر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی تو لوگ کہنے لگے: کاش! آپ اسے الگ کر کے چھوڑ دیتے۔

آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! کیا دوست کو کسی بنیاد پر چھوڑا جا سکتا ہے؟

بیان کیا جاتا ہے کہ دوستی بھی ایسا ہی رشتہ ہے جیسا کہ خونی رشتہ ہوتا ہے۔ ایک عقلمند سے پوچھا گیا: تمھیں سب سے زیادہ کون پسند ہے، تمہارا بھائی یا تمہارا دوست؟ انھوں نے جواب دیا: اگر میرا بھائی میرا دوست بن جائے تو میں اُسے پسند کروں گا۔

لغزش کی معافی

رائے کا یہ اختلاف ایسی صورت میں ہے جب (دوست سے) ظاہری اور باطنی دونوں طرح جدا ہو جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ظاہری جدائی ہو اور باطنی تعلق قائم رہے۔ اس معاملے میں تفصیل کے بغیر کلی طور پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ مختلف اشخاص کے مختلف حالات کو دیکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی تبدیلی اس صورت میں ظاہر ہوتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں اور ان کی پچھلی برائی ظاہر ہو جاتی ہے، ایسے لوگوں سے بغض رکھنا ضروری ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے اتفاقیہ کوئی لغزش ہو گئی ہو یا غفلت اور کوتاہی واقع ہو، لیکن ان کی اصلاح کی توقع ہو تو ایسے لوگوں سے بغض نہیں رکھنا چاہیے، تاہم موجودہ حالت میں اُن کے عمل سے نفرت کی جائے لیکن خود انھیں نگاہ محبت سے دیکھا جائے بلکہ ان کی نجات اور اصلاح کی امید رکھی جائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ: جب لوگوں نے اس آدمی سے بدکلامی کی جس نے بدکاری کی تھی تو آپ نے انھیں خاموش کر کے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

تم اپنے بھائی کے برخلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔

حضرت ابراہیم نخعی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں: اگر تمہارا روحانی بھائی کوئی گناہ کرے تو اس کے گناہ کی وجہ سے تم اس سے تعلق ختم نہ کرو اور نہ ہی اُسے چھوڑ دو، کیونکہ اگر وہ آج گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو کل اُسے چھوڑ بھی سکتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ: تم عالم کی لغزش سے بچو لیکن اُسے مت چھوڑو بلکہ اس کی توبہ کا انتظار کرو۔

ایک روایت میں ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو اپنا بھائی بنایا۔ جب آپ شام کی طرف روانہ ہوئے تو کسی آنے والے سے آپ نے پوچھا: میرے بھائی نے کیا کہا؟ اس نے جواب دیا: وہ شیطان کا بھائی ہے۔ آپ نے فرمایا: خاموش رہو۔ اس نے کہا: وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہوا ہے، یہاں تک کہ شراب نوشی میں بھی مبتلا ہے۔

آپ نے فرمایا: جب تم روانہ ہونے لگو تو مجھے اطلاع دو۔

اس کے بعد آپ نے یہ لکھا:

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ﴿۳﴾ (حم)

ترجمہ: یہ کتاب (قرآن مجید) عزت والے اور جاننے والے اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو گناہوں کو معاف کرتا اور توبہ کو قبول کرتا ہے مگر سخت سزا دینے والا بھی ہے۔

اس کے بعد انھوں نے بہت برا بھلا کہا اور ملامت کی۔ جب اس نے یہ خط پڑھا تو کہا: اللہ سچ کہتا ہے اور حضرت

عمر (رضی اللہ عنہ) نے خیر خواہی کی۔ آخر وہ شخص توبہ کر کے گناہوں سے باز آ گیا۔

اخوت کے حقوق وشرائط

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دائیں بائیں منہ پھیرتے ہوئے دیکھا، اس کی اصل وجہ دریافت کی تو انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے ایک آدمی کو بھائی بنایا تھا اسے تلاش کر رہا ہوں مگر وہ نظر نہیں آرہا۔

آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! جب تم کسی کو بھائی بناؤ تو اس کا اور اس کے باپ کا نام اور اس کا گھر دریافت کر لیا کرو، اگر وہ بیمار ہو تو اُس کی عیادت کرو اور اگر وہ کام میں مشغول ہو تو اس کی مدد کرو۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: جو کوئی کسی مجلس میں تین دفعہ کسی ضرورت کے بغیر آمد و رفت رکھے تو مجھے دنیا ہی میں اس کا ثواب معلوم ہو جاتا ہے۔

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: میرے ہم نشین کے مجھ پر تین حقوق ہیں:

- جب وہ قریب آئے تو میں اس کا خیر مقدم کروں۔
- جب وہ بات کرے تو میں اس کی طرف متوجہ رہوں۔
- جب وہ بیٹھے تو میں اُسے بیٹھنے کے لیے اچھی جگہ فراہم کروں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے مخلصانہ محبت کی نشانی یہ ہے کہ اس میں دنیاوی اغراض اور احسان کا شائبہ تک نہ ہو، کیوں کہ جو محبت غرض کی بنیاد پر ہوتی ہے وہ غرض پوری ہونے کے بعد زائل ہو جاتی ہے اور جس دوستی میں کوئی غرض وابستہ نہ ہو، وہ دوستی پائیدار اور مضبوط رہتی ہے۔

مخلصانہ محبت کی ایک شرط یہ ہے کہ روحانی بھائی دین و دنیا کی ہر ممکن چیز کو اپنے بھائی پر قربان کر دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (انصار کے بارے میں) فرمایا:

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۠ (حشر)

ترجمہ: وہ لوگ مہاجروں سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ انھیں دیا جائے اس پر اپنے سینوں میں کدورت نہیں پاتے اور اپنے اوپر ایثار کرتے ہیں، خواہ بھوکے ہی کیوں نہ ہوں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے مال پر حسد نہیں کرتے۔ دو اوصاف ایسے ہیں جن سے پاکیزہ محبت کی تکمیل ہوتی ہے:

۱۔ دین و دنیا کی کسی چیز پر حسد کا جذبہ باقی نہ رہے۔

۲۔ اپنی مقدور کے مطابق ایثار کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان اپنے دوست کے مذہب پر چلتا ہے مگر تمہارے لیے اس دوست کی صحبت میں کوئی بھلائی نہیں جو تمہارا ویسا ہی خیال نہ رکھے جیسا کہ وہ اپنی ذات کا خیال رکھتا ہو۔

حضرت ابو معاویہ اسود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: میرے تمام بھائی مجھ سے بہتر ہیں۔

لوگوں نے کہا: یہ کیسے ممکن ہے؟ فرمایا: ان میں سے ہر ایک مجھے اپنی ذات سے افضل سمجھتا ہے اور جو کوئی مجھے اپنی ذات سے افضل سمجھے وہ مجھ سے بہتر ہے۔ (باب: ۵۴)

✵✵✵

شہر اولیا کی زیارت

سلطان طریقت، برہان حقیقت شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد میہنی قدس اللہ سرہٗ العزیز یکتائے روزگار شخصیت، عارف ربانی اور عظیم صوفی تھے۔ان کی پیدائش ’خراسان‘ کے ’میہنہ‘ گاؤں میں ۳۵۷ ہجری کو ہوئی اور ۴۴۰ ہجری میں اسی جگہ وفات پائی ’’اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید‘ موسوم بہ ’مقامات خواجہ‘ ان کے مخصوص احوال واقوال پر مشتمل ہے جسے آپ کے پر پوتے شیخ محمد بن منور قدس سرہٗ نے ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب دنیائے تصوف کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔ **مولانا امام الدین سعیدی** (استاذ جامعہ عارفیہ) نے اس کا ترجمہ مکمل کرلیا ہے۔ ۱۵ ویں قسط سے مسلسل عام افادیت کے لیے انھیں کا ترجمہ بالترتیب پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

جب شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ شہر ’نسا‘ کے قریب پہنچے تو ’’اندر مان‘‘ نامی گاؤں سے گزر ہوا جو ’’نسا‘‘ کے مضافات میں واقع تھا، وہاں قیام کے ارادے سے اس گاؤں کا نام دریافت کیا،لوگوں نے بتایا کہ اسے ’’اندر مان‘‘ کہتے ہیں۔

یہ سن کر شیخ نے فرمایا: ہم اس کے اندر نہیں جائیں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اندر ہی نہ رہ جائیں۔ اس طرح نہ وہاں قیام کیا اور نہ شہر ’’نسا‘‘ میں داخل ہوئے، بلکہ شہر کے باہر اس کے مضافاتی علاقوں میں سیر کرتے رہے۔ اس درمیان ’’ردان‘‘ نامی گاؤں میں قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے ’’یسمہ‘‘ کے لیے روانہ ہوگئے۔

اس وقت شیخ احمد نصر نامی بزرگ شہر کی بلند ترین جگہ پر واقع ’’خانقاہ سراوی‘‘ میں مقیم تھے جن کا شمار اکابرین میں ہوتا ہے۔ خانقاہ سراوی قبرستان کے بغل میں اس پہاڑی پر واقع تھی جہاں بہت سے مشائخ طریقت مدفون تھے۔ اس خانقاہ کی تعمیر استاد بوعلی دقاق قدس اللہ سرہٗ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد فرمائی تھی۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک بار استاد بوعلی دقاق قدس اللہ سرہٗ مشائخ کی تربت کی زیارت کے لیے ’’نسا‘‘ آئے، اس وقت صوفیائے کرام کے لیے وہاں کوئی مخصوص قیام گاہ نہیں تھی، اسی رات انھوں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے فرما رہے تھے:

صوفیا کے لیے یہاں پر ایک قیام گاہ بناؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی سے اس جگہ کی نشاندہی بھی فرمائی جہاں موجودہ خانقاہ ہے، صبح کو استاد بوعلی دقاق اس جگہ پر پہنچے تو دیکھا کہ جو نشان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا تھا وہ ابھی تک موجود ہے، دوسرے لوگوں نے

بھی اس واقعہ کو ملاحظہ کیا۔اس کے بعد استاد نے وہیں پر خانقاہ کی بنیا دڈالی، پھر اس مقام پر محبوبانِ الٰہی و مشائخ کبار کے قدم ناز پڑتے رہے،اس کی عمارت ابھی بھی باقی ہے۔

خانقاہ کے نواح میں پہاڑی راستے پر واقع قبرستان کے اندر تقریباً چار سو مشائخ کی قبر ہے جو مشاہیر اولیا اور اکابر مشائخ میں شمار کیے جاتے ہیں، اسی وجہ سے صوفیا ''نسا'' کو چھوٹا ''شام'' کہتے ہیں،جیسے ملک شام انبیائے کرام کی آرام گاہ تھی اسی طرح ''نسا'' شہر اولیا ہے۔''نسا'' کی سرزمین نہایت بابرکت رہی ہے، وہاں ہمیشہ عظیم مشائخ اور باکرامت بزرگوں کا آنا جانا لگا رہا۔

مشائخ نے فرمایا ہے کہ: جب بھی مملکت خراسان میں کوئی فتنہ یا غارت گری کی شورش پیدا ہوتی تو وہ ''نسا'' تک پہنچتے پہنچتے ختم ہوجاتی، اس طرح شہر ''نسا'' اس قسم کے فتنے سے ہمیشہ محفوظ رہا ہے۔

میں (راقم الحروف) نے اپنے زمانے میں اس بات کو کئی بار ملاحظہ کیا، تیس سال کی مدت میں جو بھی فتنہ وفساد ہوئے اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوا، جیسے ہی اس کا رخ ''نسا'' کی طرف ہوتا رب تبارک وتعالیٰ اپنے لطف خاص اور اپنے محبوب ومقرب بندوں کے طفیل اسے دفع فرما دیتا۔

مگر اس وقت کی صورت حال یہ ہے کہ یہاں دین داری کے معاملے میں قحط ہے اور حقیقت مسلمانی ناپید ہوچکی ہے، بالخصوص خراسان میں تصوف کا نہ تو نام ہے نہ رسم، نہ حال ہے نہ قال۔اس کے باوجود شہر ''نسا'' ہمیشہ جلیل القدر اولیا کا مسکن رہا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی رہے گا۔

یقینی طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیشان بِهِمْ يُرْزَقُونَ وَبِهِمْ يُمْطَرُونَ (ان ہی کی برکت سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔) (نوادر الاصول، بیان عدد الابدال) کا اثر یہاں مکمل ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ یہاں بہت سے ایسے مشائخ موجود ہیں جو دوسری مملکت میں نایاب ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں، اگر چہ بہت سے خاصان الٰہی اَوْلِيَائِي تَحْتَ قُبَائِي لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِي کے پردے میں پنہاں ہیں،مگر ان کے آثار وتبرکات بکثرت موجود ہیں۔

شیخ احمد جو خانقاہ سراوی میں اپنے حجرۂ خاص میں رہتے تھے (جس حجرہ کو اَب ''خانۂ شیخ'' کہا جاتا ہے۔)اس کی کھڑکی سے اپنا سر باہر نکالتے ہوئے صفہ میں مقیم درویشوں سے فرمایا: جو شخص شہبازِ طریقت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ جان لے کہ اس وقت وہ یہاں سے گزرنے والے ہیں۔ہم سب کو ''یسمہ'' پہنچنا چاہیے تاکہ ان سے وہیں شرف ملاقات حاصل ہوجائے۔

شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہم ''نسا'' پہنچے، پھر وہاں سے احمد علی درویش کی زیارت کی غرض سے ''یسمہ'' کے لیے روانہ ہوگئے۔

مؤلف کتاب لکھتے ہیں کہ ''یسمہ'' شہر ''نسا'' سے دو فرسنگ کی دوری پر واقع ایک دیہات ہے۔شیخ احمد علی نسوی کی تربت وہیں ہے، وہ خراسان کے مشاہیر مشائخ میں سے

تھے اور شیخ عثمان حیری کے مرید تھے۔ شیخ عبدالرحمن سلمی نے اپنی کتاب ''طبقات الائمۃ الصوفیۃ'' میں ان کا نام محمد علیان نسوی ذکر کیا ہے مگر ''نسا'' کے اطراف میں احمد علی کے نام سے مشہور تھے، ان کے اعلیٰ ترین احوال وکرامات مشہور رہے ہیں۔

من جملہ وہ بھی شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ کی طرح نادر اولیا میں سے تھے۔ جب شیخ اس سفر سے واپس آ گئے تو راہ سلوک کے بہت سے معاملات آپ پر ظاہر ہوئے۔

ایک بار اُنھیں کوئی کام درپیش ہوا، اس غرض سے انھوں نے اپنے بڑے صاحب زادے خواجہ ابوطاہر کو ''نسا'' روانہ کیا، انھیں ''نسا'' پہنچنے کے بعد پاؤں میں درد کی شکایت پیدا ہوگئی، درد اس قدر بڑھ گیا کہ چلنا دشوار ہو گیا۔ ادھر شیخ کے دوسرے صاحب زادے کی ولادت ہوئی، ان کا نام ''مطہر'' رکھا گیا۔ شیخ نے ازراہ کرامت خواجہ ابوطاہر کی تکلیف کو جان لیا اور ایک درویش کو بلایا اور ان کے ہاتھ میں ایک خط تھماتے ہوئے فرمایا: تم ''نسا'' کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

اس خط میں یہ تحریر تھی:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ۔

(ہم تمہارے بھائی کے ذریعے تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے)

شیخ نے اس درویش سے فرمایا کہ: مجھے خبر ملی ہے کہ ابوطاہر کے پاؤں میں درد ہے، ان سے کہہ دینا کہ ''یسمہ'' میں احمد علی کے مزار پر حاضری دے، ان شاء اللہ تکلیف دور ہو جائے گی۔ جب خواجہ ابوطاہر کو وہ خط موصول ہوا تو انھوں نے فوراً زیارت کا قصد کیا، چونکہ آپ چلنے سے معذور تھے اس لیے ڈولی کا انتظام کیا گیا اور آپ نے اسی سے سفر کیا۔

ایک رات احمد علی کے مزار پر قیام پذیر رہے، دوسرے دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے شفا بخشی اور وہ تکلیف ختم ہوگئی۔ (یہ ایک ضمناً واقعہ تھا۔)

شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں: جب ہم شیخ احمد علی کی تربت کی زیارت کر چکے اور پھر ایک گاؤں میں پہنچے تاکہ وہاں سے دوسرے گاؤں کا راستہ حاصل کریں، اسی درمیان ایک واقعہ پیش آیا، واقعہ یہ تھا کہ میں نے پیر ابوالعباس قصاب کو ایک دکان پر بیٹھے ہوئے دیکھا، وہ میرے پاس آئے اور سلام کیا پھر اپنے ایک شاگرد کو میرے پیچھے لگا دیا، یہ جاننے کے لیے کہ ہم کہاں ٹھہرتے ہیں، دریا کے کنارے ایک مسجد تھی، میں نے وہاں قیام کیا پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ تھوڑی دیر میں پیر ابوالعباس بھی وہاں آ گئے، ساتھ میں کھانا بھی لائے۔ ہم سب نے کھانا تناول کیا، اس کے بعد پیر قصاب فرمانے لگے کہ: کوئی ہے جو میرے سوال کا جواب دے؟

لوگوں نے میری جانب اشارہ کیا، چنانچہ وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ: بتاؤ شرط بندگی کیا ہے اور شرط مزدوری کیا ہے؟

میں نے علم فقہ کے مطابق جواب دیا۔

انھوں نے فرمایا: اور بھی کچھ بتاؤ گے؟

میں نے طریقت وتصوف اور مشائخ کے اقوال کی روشنی میں جواب دیا، پھر انھوں نے پوچھا: اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے؟ میں خاموش کھڑا رہا۔ وہ مجھے پرجلال نظروں سے دیکھنے لگے، پھر فرمایا: مطلقہ سے صحبت مت کرو۔

مطلب یہ تھا کہ تو نے علم ظاہر کو جب طلاق دے دیا ہے تو پھر تم نے پہلا جواب اس علم کے مطابق کیوں دیا؟

اس وقت میری کیفیت اسی طرح ہوگئی تھی جیسی کیفیت اس وقت ہوئی تھی، جب مجھے شیخ لقمان نے پیر ابوالفضل کی بارگاہ میں پیش کیا تھا۔

اس کے بعد شیخ ابوسعید کو پیر قصاب نے مختلف مجاہدات و حالات سے واقف کرایا، اب شیخ علم قال سے علم حال کی طرف آ گئے، ان کا عالم یہ ہوگیا کہ جو بھی پڑھی ہوئی کتابیں یا مسودے تھے سب کو دفن کر دیا اور اس زمین کے حصے پر ایک دکان بنا دیا، پھر وہاں ایک پودا بو دیا جو بہت تھوڑی سی مدت میں درخت کی شکل اختیار کر گیا، اس کی ہری بھری شاخیں دکان کے اوپر لہلہانے لگیں۔

اس علاقے کے لوگ بچے کی ولادت یا تجہیز وتکفین کے وقت اس درخت کی شاخ کو بطور تبرک استعمال کرتے تھے اور دوسرے علاقوں میں بھی لے جاتے تھے۔

مؤلف کتاب محمد بن منور فرماتے ہیں کہ: وہ درخت ہمارے زمانے میں بھی سرسبز وشاداب تھا، جب خراسان فتنہ وغارت گری کا شکار ہوا اور حالات روز افزوں بدتر ہوتے گئے تو دوسرے آثار وتبرکات کے ساتھ وہ درخت بھی فتنہ وفساد کی نذر ہو گیا۔

✲✲✲

تصوف پر علمی، تحقیقی، ودعوتی مجلہ

کتابی سلسلہ **الاحسان** الہ آباد (اردو)

کا پانچواں شمارہ زیر ترتیب ہے

یہ شمارہ عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ کی حیات وخدمات پر مشتمل ہوگا۔

اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ اپنی وقیع نگارشات ۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۳ تک دفتر الاحسان کو ارسال فرما کر مشکور ہوں۔

alehsaan.yearly@gmail.com, Mobile: + 91-9026981216

سید قمر الاسلام

سلطان العارفین مخدوم شاہ عارف صفی کی تعلیمات

سلوک و معرفت کا معروف رسالہ ''گنجینۂ اسرار'' کی روشنی میں

اُنیسویں صدی عیسوی کی جلیل القدر شخصیات میں ایک اہم نام سلطان العارفین حضرت مخدوم شاہ عارف صفی محمدی قدس اللہ سرہٗ کا ہے جو سلسلہ چشتیہ نظامیہ صفویہ کے عظیم روحانی شیخ بھی تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۷۸ھ میں ہوئی اور ۱۸/ ذوالقعدہ ۱۳۲۰ھ میں وصال ہوا۔

یوں تو سلطان العارفین قدس اللہ سرہٗ کل چالیس، بیالیس سال ہی باحیات رہے مگر اس مختصر مدت میں بھی سلوک و معرفت کی وہ منزلیں طے کیں جو بہت کم خوش بختوں کو نصیب ہوتی ہیں۔

ذیل میں ان کی تعلیمات سے کچھ منتخب حصے پیش کیے جا رہے ہیں جو ہم سب کے لیے کیمیائے سعادت ہے۔

سلطان العارفین قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

طالب مولیٰ محمود ہے

اے پسر! اگر تمھیں دنیا کی طلب ہے تو دین سے ہاتھ کھینچ لو، اگر دین مطلوب ہے تو دنیا سے کنارہ کش ہو جاؤ اور طلبِ مولیٰ تمہارا مقصد ہے تو دونوں سے دوری اختیار کر لو، اس لیے کہ دنیا مردار ہے، اس کی طلب میں لگے رہنا ناپاک کتے کی عادت ہے: اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ۔ دین مسعود ہے، اس کی طلب میں لگے رہنا سعادت مندوں کا شیوہ ہے: طَالِبُ الْعُقْبٰی مَسْعُوْدٌ۔ طلبِ مولیٰ محمود ہے اور یہی سچے عاشقوں کی پہچان ہے: طَالِبُ الْمَوْلٰی مَحْمُوْدٌ۔

انسانی زندگی میں عشق کا کردار

انسان کے وجود میں تین چیزیں ہیں:

روح، دل اور بدن

زمانہ کی بھی تین قسمیں ہیں:

ماضی، مستقبل اور حال

انسان کی زندگی کے بھی تین مراحل ہیں:

بچپن، جوانی اور بڑھاپا

انسان کی خواہش بھی تین نوعیت کی ہوتی ہیں:

دین، دنیا اور مولیٰ

انسانی سیرت کے بھی تین مراتب ہیں:

بہائم، ملائکہ اور اولیا

حالات کی بھی تین قسمیں ہیں:

بیداری، خواب اور موت

کلام اللہ کا آغاز بھی تین حروف سے ہوتا ہے:

الم۔ (الف۔ لام۔ میم)

اس کا اختتام بھی تین ہی حرفوں سے ہوتا ہے:

ناس۔(نون۔الف۔سین)

عشق میں تین حروف ہیں، حسن بھی تین ہی حروف سے مرکب ہے اور عشق کے مقام بھی تین ہیں:

جہنم، جنت اور اعراف

اے عزیز! یہ جاننا چاہیے کہ کوئی وجود ایسا نہیں ہے، جو عشق سے خالی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دل کے صحرا میں عشق کو چھپا رکھا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان اس سے بے خبر ہو، جس وقت عشق کا تذکرہ ہوتا ہے، وہ ظاہر ہونے لگتا ہے اور انسان کو اپنا مطیع و فرماں بردار بنالیتا ہے، پھر جو چاہتا ہے اس سے کرواتا ہے اور انسان نہ چاہ کر بھی اس کو کرڈالتا ہے۔

وہ عشق ہی ہے جس کی بدولت علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کا خزانہ ہاتھ آتا ہے اور اس شخص کے قول و عمل اور حال میں ایک نئی توانائی پیدا ہو جاتی ہے۔ عشق ہی ہے جو دوزخ، بہشت اور اعراف کی سیر کراتا ہے۔ عشق ہی دنیا ودین اور طلب مولیٰ کے میدان مین قدم رکھتا ہے۔ عشق ہی ہے جو بہائم، ملائکہ اور اولیا کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ وہی ہے جو بیداری، خواب اور موت میں رنج و راحت کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ وہ ماضی مستقبل اور حال کو واپس پلٹا دیتا ہے، طفولیت، شباب اور ضعیفی کے احساس کو مٹا دیتا ہے۔ عشق ہی ہے جو روح، دل اور تن کو ایک ہی انداز میں دیدار کے قابل بناتا ہے۔

دنیا ختم ہو جانے والی ہے

میرے پیارے!

اگر طلبِ دنیا میں تم اپنے قیمتی وقت کو اسبابِ دنیا پر نثار بھی کرڈالو، پھر بھی تم کو کیا ملے گا؟ دنیا، دنیا کے اسباب اور تمہارا وجود سب مٹنے کے قریب ہیں: کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ اسی مقام کے بارے میں ہے۔ مرنے کے بعد بھی تم اس کی بلاؤں سے نجات نہ پاسکو گے اور حشر تک اس کے آزار میں مبتلا رہوگے۔ طرح طرح کی آفتوں سے چھٹکارا نہ ملے گا، اگر محنت و مشقت سے مال و دولت کا انبار لگالیا تو بھی تم کو آسودگی نصیب نہ ہوگی۔ قارون سے دریافت کرو کہ اس کے مال واسباب اور خزانے اس کے لیے نجات کا باعث ہوئے، یا اس کو بلاؤں میں پھنسادیا؟ روئے زمین کے تمام فرماں روا کس حال میں گرفتار ہیں؟ اگر تم علم میں کامل ہو، اس سے کیا حاصل ہوگا؟ جب کہ تمہارا قلب عشق مولیٰ سے آباد نہیں ہے۔ معلم الملکوت کو دیکھو، قیامت تک کے لیے اس کے گلے میں لعنت کا طوق پڑ گیا۔ اگر تمہارے پاس دور اندیش عقل ہے تو اپنے آباواجداد کا حال ملاحظہ کرو کہ دنیا کا کتنا مال و متاع وہ اپنے ہمراہ لے گئے؟

موت کے وقت دنیا کام نہیں آئے گی

اگر محل اور بنگلوں میں تمہارا دل الجھا ہوا ہے، تو اس کے انجام پر غور کرو کہ اسے تم نے اپنے واسطے بنایا، یا دوسروں کے حوالے کرنے کے لیے؟ جس وقت موت کا فرشتہ روح قبض

کرنے کے لیے آئے گا، اس وقت علم، دولت، طاقت وقوت، احباب واقارب، محل اور کوٹھی، جاہ وحشمت، تندی وخوش اخلاق، تواضع اور تکریم میں سے کوئی ایک منٹ کے لیے بھی اس کو روک نہیں سکتا۔ تمہاری روح کو اذیت ومصیبت درپیش ہوگی۔ زندگی میں نیکی وبدی کا جو سرمایہ تم نے یکجا کیا ہے وہی تمہارے ساتھ جائے گا۔ اس وقت تخت وتاج اور صحرا وباغ برابر ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

چو آہنگ رفتن کند جان پاک
چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

ترجمہ: جب جانِ پاک رخصتی کا ارادہ کرتی ہے، اس وقت تخت اور سطح زمین پر مرنا برابر ہے۔

ہر شئی میں اللہ کا جلوہ ہے

اے عزیز! بدن کو عجز ونیاز کے ساتھ عبادت الٰہی کے لیے اور دل کو بارگاہ رب العالمین کی حاضری کے لیے تیار رکھنا چاہیے اور جان محبوب کے حوالے کر دینی چاہیے۔ یقین رکھو، اللہ قادر مطلق ہے، اس نے اپنی اطاعت ومعرفت کے لیے حرکات وسکنات کی طاقت بخشی اور اس ذاتِ مقلب القلوب نے اپنے مشاہدے کی پیاری اور ٹھنڈی ہوا سے دل کے غنچوں کو شگفتہ کر دیا۔ اپنے ذکر کو ہمارا مشغلہ بنا دیا۔ جسے اس نے بیداری، خواب اور موت کی حالتوں میں برقرار بھی رکھا۔ اگر بیداری کی حالت میں تم ہوشیار رہے ہو، تو خواب میں بھی اسی میں محو رہو گے۔ اگر خواب میں تم ذکر الٰہی میں مشغول ہو تو بعد از مرگ وہی تمہارا وظیفہ ہوگا۔ دل کو رحمت الٰہی کی جلوہ گاہ تصور کرو، کیوں کہ اس عالم میں کوئی بھی صورت ایسی نہیں ہے جس میں اس کا جلوہ نہ ہو۔

طالب دنیا نامراد ہے

حضرت قبلہ گاہی میرے روبرو ہوئے اور اس کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا اے جگر پارے! جو شخص فقر کا لباس شہرت وبزرگی کی خاطر زیب تن کرے۔ وہ طالب دنیا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی رشتہ وناطہ نہیں، وہ نامراد ہو کر رہے گا۔ جس کی یہ خواہش ہو کہ وہ اپنے قبیلے کا سردار بن جائے اور اس کی عزت وعظمت بڑھ جائے، ایسا آدمی ہر ایک کے اندر عیب ڈھونڈتا ہے اور ہمیشہ منافقت کا شکار رہتا ہے۔

مرشد برحق کے احکام سے غفلت ذلت کا سبب

ایک وہ شخص ہے جو مرشد کے قول وفعل اور حال سے دوری اختیار کیے ہوئے ہے اور کتابوں کی طرف راغب ہے، اس کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کے دل میں واردات ہوں اور وہ حقیقت تک رسائی حاصل کر پائے۔ وہ اپنی عقل کی اتباع کرنے والا ہے۔ ہمیشہ غم دنیا میں گرفتار ہے اور ہر پل پریشان رہتا ہے، اُسے سکون واطمینان کی ضرورت ہے۔ بعض لوگ مرشد برحق کے احکام سے غافل ہیں، اصل میں وہ کاہل ہیں اور بہ ظاہر فرماں بردار۔ وہ اپنے حق میں حقیقت سے نابلد ہیں، ایسے لوگ ہمیشہ رسوا ہوتے ہیں۔

اللہ سے تعلق قائم کرو

سب سے منقطع ہو کر اللہ سے اپنا رشتہ استوار کر لو۔ بادۂ

و پیمانہ کو چھوڑ و اور محبوب حقیقی کی محبت کی شراب پیو۔کسی کی ہم دردی اور نصرت پہ مکمل اعتماد مت کرو۔اپنے جان پہچان کے لوگوں سے ہوشیار رہو۔نفس کی سواری کو شوخ نہ ہونے دو، ہر دم چاق و چوبند رہو اس لیے کہ وہ جانی دشمن ہے۔اگر چند لوگوں کی مجلس میں حاضری ہو تو خود کو سب سے کم تر تصور کرو اور خاموش رہو، ہوش و حواس ٹھکانے رکھو تا کہ لوگ آپے سے باہر نہ ہو جائیں۔جب تک بیٹھو، کسی پر بوجھ مت بنو۔کسی چیز کا مطالبہ نہ کرو۔دوسروں کی ضرورت پوری کر دو، لیکن کسی سے اپنی ضرورت کا اظہار مت کرو۔نیکی کر کے اسے فراموش کر دو۔جب کوئی چیز دو تو زبان کو خبر بھی نہ ہونے دو۔

ولایت کامل کی علامت

اسباب سے رشتہ توڑ لینا توکل ہے۔توکل کرنے والا درویش پانی کو کنویں میں اور روٹی کو غیب میں رکھتا ہے۔بغیر خواہش کے جو ملے، وہ اس کی طرف سے ہے۔اس کی رضا پر راضی رہنا اور اپنی انا کو ختم کر ڈالنا مردوں کا کام ہے۔ذکر کرنا مبتدئین کا مرتبہ ہے، فکر متوسطین کا مقام ہے۔اور قلزم معرفت کی غواصی کرنا اور اس بات سے بھی بے خبر ہو جانا کہ بیٹھا ہوں، کھڑا ہوں یا چل رہا ہوں یہ کاملین ولایت اور منتہی حضرات کا کام ہے۔

کسی چیز کی تمنا نہ کرو

عزیزم! اگر منزل تک تم کو رسائی نہیں مل سکی تو اس کی راہ میں اس کی رضا پر راضی رہو۔کسی بھی کام کو اپنا کارنامہ نہ تصور کرو۔گفتگو اور بینائی میں، شجاعت و جواں مردی میں اور سارے حرکات و سکنات میں جب اعضا متحرک ہوں تو اس وقت غور کرو کہ حرکت دینے والا کون ہے؟ لوگوں کی گفتار اور سماعت کو اسی پر قیاس کر لو۔تم تک جو بھی پہنچتا ہے، وہ اسی کا عطا کیا ہوا ہے اور جو دوست کی طرف سے ہے، اس کو رد کرنا مناسب نہیں۔اگر کوئی ناموافق اور سخت بات کہہ دے، تو غصہ مت ہو، ہر حال میں راضی رہو۔کسی چیز کی رغبت اور تمنا کو دل میں جگہ نہ دو۔

تخلیق انسانی کا مقصد معرفت الٰہی

کھانے سے انکار کرنا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔جب تم ہی اپنے آپ پر ظلم کرو گے تو کمزوری کی وجہ سے تمہارا جینا دوبھر ہو جائے گا، جب تمہاری جان پر بنی ہو، تو اس کی معرفت تمہارے لیے کیسے ممکن ہوگی اور کیوں کر تم اس تک پہنچ سکو گے۔جب تم نے اس کو نہیں پہچانا اور اس کی بارگاہ تک رسائی حاصل نہیں کی، تو تمہاری زندگی اور موت برابر ہے۔

عزیزم!

تم اللہ کی معرفت کے لیے پیدا ہوئے ہو۔جب تم نے اپنے وجود کو لاغر کر ڈالا۔تو کیا حاصل؟ تم مردہ اور بے مقصد ہو گئے اور خالی جھولی مر گئے۔

✲✲✲

غلام مصطفیٰ ازہری

جھوٹے راوی کے سبب حدیث کے موضوع ہونے کا مسئلہ

شمارہ اگست میں ''حدیث موضوع: تعریف وتفہیم'' اور شمارہ ستمبر میں ''حدیث موضوع: علامات اور نشانیاں'' کے عنوان سے دو مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ اس شمارے میں اسی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے ''جھوٹے راوی کے سبب حدیث کے موضوع ہونے کے مسئلہ'' پر گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث کی سند میں اگر کوئی راوی کذاب یا وضاع ہو تو بسا اوقات ایسی حدیث کو بھی ناقدین موضوع کہہ دیتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ اس سلسلے میں علمائے ناقدین مختلف گروہ میں بٹے ہوئے ہیں۔

(۱) بعض علما اس طرف گئے ہیں کہ اگر حدیث کا متن عام اصول شرع کے خلاف نہ ہو تو اسے موضوع نہیں کہیں گے اگرچہ وضاع وکذاب راوی ہی پر اس حدیث کا مدار کیوں نہ ہو۔

داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محدثین کا یہ موقف دراصل قرآن کی اس آیت سے مستنبط ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ۝ (حجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق کی روایت مطلقاً رد نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی روایات کی تحقیق کی جائے گی اور تحقیق کے بعد اگر ان روایات کی صداقت کا ثبوت مل جائے تو ان کو قبول کیا جائے گا۔ حدیث گڑھنا اور جھوٹ بولنا یہ دونوں فسق کے کام ہیں لہٰذا ایسے راویوں کی روایت بالکلیہ رد نہیں کی جائے گی بلکہ تبین وتحقیق کے بعد درست ثابت ہونے پر ان کو قبول کیا جائے گا۔

امام سخاوی کا بھی یہی موقف ہے کہ جھوٹے کی روایت اس وقت قبول کرلیں گے جب کہ تحقیق سے یہ واضح ہو کہ اس کی روایت محکم آیات اور صحیح احادیث کے خلاف نہیں ہے۔

آپ لکھتے ہیں: مجرد تفرد الكذاب بل الوضاع ولو كان بعد الاستقصاء فی التفتيش من حافظ متبحر تام الاستقراء غير مستلزم لذلك، بل لا بد معه من انضمام شیء مما سيأتی. ولذا كان الحكم من المتأخرين عسيرا جدا وللنظر فيه مجال، بخلاف الأئمة المتقدمين الذين منحهم الله التبحر فی علم الحديث والتوسع فی حفظه كشعبة والقطان وابنه مهدی ونحوهم، وأصحابهم مثل أحمد وابن المدينی وابن معين وابن راهويه، وطائفة ثم أصحابهم مثل البخاری ومسلم وأبی داود والترمذی والنسائی وهكذا إلى زمن الدارقطنی والبيهقی ولم يجئ بعدهم مساولهم ولا مقارب.

(فتح المغیث، باب الموضوع، ۱/۲۵۵)

ترجمہ: ''محض کسی جھوٹے؛ بلکہ وضّاعِ حدیث کا کسی حدیث میں منفرد ہونا اگر چہ کسی متبحر اور دیدہ ور حافظِ حدیث کی تحقیق سے ثابت ہوا ہو، پھر بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہی ہو؛ بلکہ اس کے ساتھ کسی اور دلیل کا ہونا بھی ضروری ہے، جس کا ذکر (یعنی علامت وضع کا بیان) آگے آرہا ہے۔ اسی لیے متاخرین علما کے لیے کسی حدیث پر موضوع کا حکم لگانا بہت دشوار ہے اور اگر انھوں نے کسی حدیث پر کوئی حکم لگایا تو اس میں غور وفکر کی گنجائش باقی رہتی ہے، برخلاف ان علمائے متقدمین کے جنھیں اللہ رب العزت نے علم حدیث میں تبحر اور وسعت نظر عطا فرمائی جیسے شعبہ، قطان، مہدی یا ان جیسے دوسرے علما اور ان کے شاگرد مثلاً امام احمد، ابن مدنی، ابن معین، ابن راہویہ اور اس طبقے کے دیگر علما، پھر اسی طرح ان کے شاگرد جیسے بخاری، مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی سے لے کر دار قطنی (متوفی: ۳۸۵ھ) اور بیہقی (متوفی: ۴۵۸ھ) کے زمانے تک کے علما، کیوں کہ بعد کے دور میں ان جیسے یا ان کے قریبی مرتبے کے علما نہیں آئے۔''

امام سخاوی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ پانچویں صدی کے بعد کے علما کا کسی حدیث پر حکم وضع لگانا آسان نہیں ہے اور ان کے لگائے ہوئے حکم کو آنکھ بند کر کے تسلیم کر لینا اندھی تقلید کے علاوہ کچھ نہیں۔

شیخ ابن تیمیہ نے بھی علامت پائے جانے ہی کے سبب حدیث کو موضوع قرار دینے کی طرف اشارہ کیا ہے:

وكما أن على الحديث أدلة يعلم بها أنه صدق وقد يقطع بذلك فعليه أدلة يعلم بها أنه كذب ويقطع بذلك.

''جس طرح حدیث کے لیے کچھ ایسی علامتیں ہیں جن سے اس کے صحیح ہونے کا علم اور یقین ہوتا ہے اسی طرح کچھ ایسی علامتیں بھی ہیں جن سے اس کے جھوٹ ہونے کا علم اور یقین ہوتا ہے۔''

اس کی شرح میں عصر حاضر کے ایک مشہور سلفی محدث محمد بن عمر بن سالم بازمول استاذ جامعہ ام القری لکھتے ہیں:

''شیخ ابن تیمیہ نے اپنی اس عبارت سے حدیث کے ایک دوسرے قاعدے کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے۔ اسے علما اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حدیث پر کوئی بھی حکم لگانا صرف سند پر موقوف نہیں ہے بلکہ کچھ علامتیں اور نشانیاں ہیں جو حدیث کے وضع اور کذب پر دلالت کرتی ہیں اسی لیے سند حدیث اور متن حدیث کے حکم میں فرق کیا جاتا ہے چنانچہ جب کسی سند میں کوئی راوی کذاب یا وضاع ہو تو یہ کہنا چاہیے کہ یہ سند موضوع ہے، یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ حدیث موضوع ہے، ہاں جب کہ سند میں وضاع راوی کے ساتھ متن میں بھی علامت وضع میں سے کوئی علامت پائی جائے (تو یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے) صرف راوی کے کذاب یا وضاع ہونے کی وجہ سے حدیث کو موضوع کہنا درست نہیں ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس حدیث کی سند موضوع ہے۔''

(مقدمۃ فی أصول التفسیر، از ابن تیمیہ، مع شرحہ، از محمد بازمول)

مثال سے وضاحت:

مرغی پالنے کے سلسلے میں ایک حدیث مروی ہے:

أَمَرَ الْأَغْنِيَاءَ بِاتِّخَاذِ الْغَنَمِ وَأَمَرَ الْفُقَرَاءَ بِاتِّخَاذِ الدَّجَاجِ۔ (سنن ابن ماجہ، باب اتخاذ الماشیۃ)

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مال داروں کو بکری اور فقرا کو مرغی پالنے کا حکم دیا۔

اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ سے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے جب کہ ابن عدی نے الکامل فی الضعفا میں اور عقیلی نے ضعفا میں اپنی اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ اور ابن عدی کی سند میں علی بن عروہ دمشقی ہے اس کے بارے میں ابن حبان نے کہا کہ یہ حدیثیں وضع کرتا تھا جب کہ عقیلی کی سند میں غیاث بن ابراہیم ہے جسے محدثین نے یضع الحدیث (حدیث وضع کرتا تھا) یا متروک الحدیث (محدثین نے اس سے حدیث لینا پسند نہیں کیا ہے۔) کہا ہے، اسی لیے ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی ساری حدیثیں موضوع کے مشابہ ہیں۔

راویان حدیث پر اس قدر کلام کے باوجود امام سخاوی نے ''المقاصد الحسنۃ'' میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اسی طرح ملا علی قاری نے یہ کہا: والظاھر ان الحدیث ضعیف لا موضوع (ظاہر یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں)

(الاسرار المرفوعہ، حدیث: ۱۲۸۲، ص: ۳۳۸)

اس کی وجہ یہی ہے کہ مذکورہ بالا حدیث سند کے لحاظ سے موضوع ہونے کے باوجود اس کا متن قواعد شریعت کے خلاف نہیں اس لیے حدیث کو موضوع نہیں کہا جاسکتا بلکہ سند موضوع ہوگی اور حدیث پر ضعف کا ہی حکم لگایا جائے گا۔

(۲) ناقدین کی ایک دوسری جماعت راوی کے کذاب یا وضاع ہونے کے سبب بھی حدیث کو موضوع قرار دیتی ہے، لیکن یہ ناقدین بھی یہ شرط ملحوظ رکھتے ہیں کہ راوی ایسا کذاب اور وضاع ہو جس سے عمداً نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان وافترا کرنا ثابت ہو، اگر اس پر کذب ثابت نہ ہو بلکہ اس پر کذب کی تہمت ہو تو صرف اس تہمت کے سبب وہ حدیث موضوع نہیں ہوگی، پھر یہ بھی خیال رہے کہ راوی کا کذب ثابت ہونے کے بعد ناقدین اس حدیث کو موضوع ضرور کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے نزدیک یہ حکم وضع قطعی نہیں ہوتا محض ظنی ہوتا ہے کیوں کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

الطعن إما أن يكون: لكذب الراوي بأن يروي عنه صلى الله عليه وسلم ما لم يقله، متعمدا لذلك، أو تُهَمَتِهِ بذلكَ فالقسم الأول هو الموضوع والحكم عليه بالوضع إنما هو بطريق الظن الغالب، لا بالقطع؛ إذ قد يصدق الكذوب، وَالقسمُ الثَّاني هُو المَتْرُوكُ.

حدیث پر نقد یا تو راوی کے کذب کی وجہ سے ہوگا مثلاً اس نے عمداً وہ بات روایت کی جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی تھی یا اس پر جھوٹ تہمت کی وجہ سے ہو، پہلی صورت میں روایت کو موضوع کہیں گے لیکن یہ حکم وضع یقینی نہیں بلکہ بطور ظن غالب ہے کیونکہ بسا اوقات بڑا جھوٹا بھی سچ بولتا ہے، اور دوسری صورت میں روایت کو متروک کہیں گے۔

(ملخصا نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، بحث الطعن ص: ۲۱، ۲۲)

اسی طرح ملا علی قاری فرماتے ہیں:

الموضوع هو الحديث الذي فيه الطعن بكذب الراوي۔ (حاشیہ نزہۃ النظر مع نخبۃ)

موضوع اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کے راوی پر جھوٹے ہونے کا حکم لگایا گیا ہو۔

مثال سے وضاحت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت بیان کی جاتی ہے:

ان الشیطان یحب الحمرۃ فایاکم والحمرۃ وکل ثوب فیہ شھرۃ۔ (طبرانی/معجم اوسط۷/۳۵۳،رقم:۷۷۰۸)

شیطان سُرخ رنگ پسند کرتا ہے توتم سُرخ رنگت سے بچو اور ہراس کپڑے سے جس میں شہرت ہو۔

یہ حدیث رافع بن یزید ثقفی سے روایت کی گئی ہے ان کے نام کے سلسلے میں مختلف روایات ہیں مثلاً عبدالرحمن بن یزید بن رافع،عبدالرحمن ابن یزید بن راشد

اسی طرح ان کے صحابی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک شخص ابوبکر ہذلی ہے جس پر محدثین کا سخت کلام ہے لیکن کسی نے کذاب نہیں کہا ہے۔اس کے باوجود جوزقانی نے اس حدیث پر حکم لگاتے ہوئے لکھا ہے:

ھذا حدیث باطل واسنادہ منقطع۔

(الاباطیل والمنکرات،۲/۲۴۸،رقم:۶۴۶)

یہ روایت باطل ہے اوراس کی سند میں انقطاع ہے۔

اس پر رد کرتے ہوئے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:قولہ باطل مردود فان ابابکر الھذلی لم یوصف بالوضع وقد وافقہ سعید بن بشیر، وان زاد فی السند رجلا، فغایتہ ان المتن ضعیف اما حکمہ بالوضع فمردود۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ،ترجمہ رافع بن یزید ثقفی،۲/۴۴۶)

جوزقانی کا اس حدیث کو باطل کہنا مردود ہے کیونکہ ابوبکر ہذلی وضاع نہیں اور سعید بن بشیر نے اس طرح کی ایک اور روایت بیان کی ہے، اگرچہ سند میں انھوں نے ایک شخص کا اضافہ کیا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ متن ضعیف ہے، رہا حدیث کو موضوع کہنا تو یہ غلط ہے۔

یہاں پر علامہ ابن حجر سے سہو ہوا کہ انھوں نے کہہ دیا کہ ’’زیادہ سے زیادہ یہ متن ضعیف ہے‘‘ جب کہ ہونا یہ چاہیے کہ سند ضعیف ہے۔

علامہ ابن حجر کے اس تبصرہ سے کہ ’’ابوبکر ہذلی وضاع نہیں‘‘ واضح ہوا کہ وضاع ہی کی روایت کردہ حدیث کو موضوع کہیں گے۔

متہم بالکذب کی روایت کردہ حدیث کا حکم؟

مذکورہ تفصیلات سے یہ واضح ہوا کہ علمائے محدثین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ صرف راوی کے کذاب یا وضاع ہونے کے سبب حدیث موضوع نہیں ہوتی جب کہ اکثریت اس طرف گئی ہے کہ اگر کسی حدیث کا راوی وضاع یا کذاب ہے تو اس کی روایت کردہ حدیث کو موضوع کہیں گے البتہ یہ حکم وضع ظنی ہوگا نہ کہ قطعی، یہاں ایک اور مسئلے کی وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے اور وہ یہ کہ متہم بالکذب یا متہم بالوضع کے کیا معنی ہیں؟ اور اس کی روایت کردہ حدیث کا کیا حکم ہے؟

محدثین کسی راوی کو متہم بالکذب یا متہم بالوضع دو حالتوں میں بولتے ہیں:

(۱) کسی راوی نے ایک ایسی حدیث روایت کی جو عام اصول دین اور قواعد شرع کے خلاف ہو اور اس سند میں کوئی دوسرا راوی ایسا نہ ہو جس پر کذب کی تہمت لگی ہو ایسے راوی کو متہم بالکذب یا متہم بالوضع سے موصوف کرتے ہیں۔

اس اعتبار سے جن احادیث میں راوی کو متہم بالکذب یا متہم بالوضع کہا گیا ہے ان میں سے اس کی صرف وہی احادیث موضوع قرار پائیں گی جو عام اصول دین اور قواعد شرع کے خلاف ہیں لیکن جو احادیث عام اصول دین اور قواعد شرع کے خلاف نہیں ان کو موضوع نہیں کہیں گے، اگرچہ

ان کی سند میں کسی راوی کو عام اصول دین اور قواعد شرع کے خلاف کوئی حدیث روایت کرنے کی وجہ سے متہم بالکذب یا متہم بالوضع سے متصف کیا گیا ہو۔

(۲) کسی راوی سے عام گفتگو میں جھوٹ بولنا ثابت ہو لیکن اس کا اظہار حدیث نبوی کی روایت میں نہ ہوئی ہو تو ایسے راوی کو بھی متہم بالکذب سے موصوف کرتے ہیں۔

متہم بالکذب کی حدیث کو متروک کہیں گے یہ ضعیف حدیث کی آخری قسم ہے۔

ایک اشکال کی وضاحت:

بہت سارے علما جب حدیث سے حکم وضع دور کرتے ہیں تو وہاں کذب کے ساتھ تہمتِ کذب بھی شامل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حدیث کیوں کر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ اسی طرح کبھی یہ کہتے ہیں کہ حدیث موضوع تو اسی وقت ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا، یہاں ایسا نہیں لہٰذا یہ حدیث موضوع نہیں۔

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر محدثین؛ حدیث پر سے حکم وضع دور کرتے وقت کذب کے ساتھ تہمتِ کذب کو بھی کیوں شامل کرتے ہیں جب کہ تہمت کذب جرح کا چوتھا درجہ ہے جو ضعف کا آخری درجہ کہلاتا ہے یعنی جب تہمت کذب سے حدیث موضوع ہوتی ہی نہیں تو حکم وضع دور کرتے وقت اس کا ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے؟

اس اشکال کو اس طرح دفع کیا جا سکتا ہے کہ محدثین متہم بالکذب یا متہم بالوضع کو پہلے معنی (راوی کا عام اصول شرع کے خلاف حدیث روایت کرنا) کے اعتبار سے حکم وضع رد کرتے وقت ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کہ ”یہ حدیث کیوں کر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب“ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو نہ کسی جھوٹے راوی نے بیان کیا ہے اور نہ ہی یہ حدیث عام اصول شرع کے خلاف ہے کہ اس منفرد راوی کو متہم بالکذب کہا جا سکے۔

جائزہ: راوی کے جھوٹے ہونے کے سبب حدیث کو موضوع کہنے کے سلسلے میں علما کے ان دونوں نظریات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جن علما پر عمل میں احتیاط اور تفقہ کا غلبہ رہا انھوں نے وضاع کی حدیث کو بھی اس شرط کے ساتھ کہ عام اصول دین اور قواعد شریعت کے خلاف نہ ہو، ضعیف قرار دے کر ترہیب وترغیب اور فضائل کے باب میں قبول کر لیا جب کہ وہ علما جن پر روایت میں احتیاط کا غلبہ رہا انھوں نے وضاع اور کذاب کی حدیث کو موضوع قرار دے کر رد کر دیا اگرچہ حدیث اصول شرع کے خلاف نہ ہو۔

پہلا گروہ فقہا اور صوفیا کا ہے جن کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ اپنے قیاس اور اپنی خواہش پر عمل کرنے کے بجائے اس قول پر عمل کیا جائے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے اگرچہ یہ نسبت ضعیف ہو۔

جب کہ دوسرا گروہ محتاط محدثین کا ہے جن کی نظر حدیث کو ہر طرح کے شک وریب سے پاک کرنے پر ہوتی ہے۔

ان وجوہات کے علاوہ بھی دوسرے اسباب کی بنا پر کچھ لوگ حدیث کو موضوع کہتے ہیں ان پر تفصیلی بحث آئندہ کسی دوسرے مضمون میں کی جائے گی۔

٭٭٭

ضیاء الرحمن علیمی

عقیدۂ شفاعت: قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا یَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰی وَ ہُمۡ مِّنۡ خَشۡیَتِہٖ مُشۡفِقُوۡنَ ﴿۲۸﴾ (انبیا)

ترجمہ: اور فرشتے انھیں لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کی شفاعت کے لیے اللہ راضی ہوگا اور وہ اللہ کے خوف سے لرز رہے ہوں گے۔

لغوی وشرعی مفہوم

شفاعت عربی زبان کا لفظ ہے، اس لفظ سے بننے والے تمام الفاظ میں ملانے اور زیادہ کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔

(لسان العرب، مادہ شفع)

شفاعت کا عام مفہوم یہ ہے کہ آپس میں جرم و گناہ کو معاف کر دینے کی درخواست کی جائے اور اصطلاح شریعت میں شفاعت یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کی وجہ سے ہونے والے عذاب میں کمی، یا بالکلیہ اس کی معافی یا گناہ صغیرہ کی معافی، یا جب نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں تو جنت میں داخلے، یا درجات کی بلندی کے لیے کوئی مقبول بندہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی اجازت، اس کی عطا کردہ جاہ ومرتبہ اور محبوبیت کی بنا پر کسی شخص کے لیے دعا کرے۔

شفاعت کے لغوی معنی سے اس کے اصطلاحی معنی کا آپسی تعلق یہ ہے کہ شفاعت کے شرعی معنی میں بھی مجرم اپنی شفاعت کے لیے کسی مقبول بندے کو اپنے ساتھ ملاتا ہے۔

شفاعت کے ارکان

شفاعت کے لیے درج ذیل ارکان کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ شفاعت کرنے والا

۲۔ جس کی شفاعت کی جائے

۳۔ جس کی بارگاہ میں شفاعت کی جائے

۴۔ جس امر کے لیے شفاعت کی جائے۔

شفاعت کا مقصد

شفیع کو حق شفاعت عطا کیے جانے کی خاص طور سے دو حکمتیں ہیں:

۱۔ شفاعت کرنے والے کی تعظیم

۲۔ جس کی شفاعت کی جا رہی ہے اس کو فائدہ پہنچانا۔

شفاعت کی قسمیں

شفاعت کرنے والے کے لحاظ سے شفاعت کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت

۲۔ انبیائے کرام کی شفاعت

۳۔ ملائکہ کی شفاعت

۴۔ صالحین کی شفاعت

۵۔ اعمال صالحہ کی شفاعت

● نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شفاعت ہیں اس کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقام پر موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝۶۴ (نسا)

ترجمہ: جب لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں اور وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی شفاعت کریں تو بلا شبہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا مہربان پائیں گے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ۝۶۲ (نور)

یعنی صحابہ کے لیے آپ شفاعت کریں۔

احادیث کریمہ میں بھی آپ کے شفیع ہونے کا ذکر ہے، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَنَا أَوَّلُ شَفِيعٍ فِي الْجَنَّةِ۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

ترجمہ: میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کروں گا۔

● **تمام انبیائے کرام بھی صاحب شفاعت ہیں**

اس کا ذکر عمومی طور پر قرآن کریم میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا۝۱۰۹ (طہ)

ترجمہ قیامت کے روز اُن ہی کی شفاعت کام آئے گی جن کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہے اور جن کی بات سے اللہ راضی ہے۔

یہ آیت عام ہے، اس کا مفہوم انبیا اور غیر انبیا سب کی شفاعت کے لیے عام ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۝۴۷ (مریم)

ترجمہ: میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری شفاعت کروں گا، بلا شبہ وہ مجھ پر مہربان ہے۔

● **فرشتے بھی صاحب شفاعت ہیں**

اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۝۷ (غافر)

ترجمہ: وہ فرشتے جو عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد اور تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے گناہوں کی بخشش کے واسطے شفاعت کرتے ہیں۔

● **صالحین بھی صاحب شفاعت ہیں**

اس کا بھی ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ: صالحین اپنے مومن بھائیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح شفاعت کرتے ہیں: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۝۱۰ (حشر)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہم سے پہلے گزرے ہوئے مومن بھائیوں کی بھی مغفرت فرما۔

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

(مسلم، کتاب الایمان)

ترجمہ: ملائکہ اور انبیا شفاعت کر چکے اور مومنین بھی شفاعت کر چکے۔

اس حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ ملائکہ انبیا اور مومنین سب کو شفاعت کا حق حاصل ہے۔

●بچوں کی اپنے والدین کے حق میں شفاعت

بچے بھی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے والدین کی شفاعت کریں گے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يُقَالُ لِلْوِلْدَانِ أُدْخُلُوا الْجَنَّةَ. قَالَ: فَيَقُوْلُوْنَ: يَا رَبِّ حَتّٰى يَدْخُلَ آبَاؤُنَا وَأُمَّهَاتُنَا. قَالَ: فَيَأْتُوْنَ. قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مَالِي وَمَالَهُمْ مُحْبَنْطِئِيْنَ، أُدْخُلُوا الْجَنَّةَ. قَالَ: فَيَقُوْلُوْنَ: يَارَبِّ آبَاؤُنَا وَأُمَّهَاتُنَا. قَالَ: أُدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ۔

(مسند احمد، رجل من اصحاب النبی)

ترجمہ: بچوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ کہیں گے کہ میں اس وقت جنت میں داخل ہوں گا جب میرے ماں باپ بھی جنت میں داخل ہوں گے، پھر وہ حاضر ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا بات ہے وہ کیوں غمگین نظر آ رہے ہیں؟ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ پھر کہیں گے کہ ہمارے ماں باپ جنت میں داخل ہوں گے جبھی ہم داخل ہوں گے، تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم اور تمہارے ماں باپ دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ السِّقْطَ لَيُرَاغِمُ رَبَّهُ إِذَا أَدْخَلَ أَبَوَيْهِ النَّارَ، فَيُقَالُ: أَيُّهَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ أَدْخِلْ أَبَوَيْكَ الْجَنَّةَ۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز)

ترجمہ: ناقص بچے کے والدین کو جب جہنم میں داخل کیا جائے گا تو وہ اپنے رب سے جھگڑے گا، تو اس سے کہا جائے گا: اے اپنے رب سے جھگڑنے والے ناتمام بچے! اپنے والدین کو جنت میں لے جاؤ۔

●اعمال صالحہ کی شفاعت

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ بھی صاحب اعمال کے لیے شفاعت کریں گے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَقُوْلُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ، إِنِّي مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيْهِ، وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ۔ (مسند احمد، عبداللہ بن عمرو)

ترجمہ: روزہ اور قرآن دونوں بندے کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے، چنانچہ روزہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے اس کو کھانے اور خواہشات سے روک کر رکھا، اس لیے اس کے حق میں مجھے شفاعت کرنے والا بنا لے اور قرآن عرض کرے گا: میرے رب! میں نے اس کو رات میں سونے سے روک دیا اس لیے اس کے حق میں مجھے شفاعت کرنے والا بنا لے، چنانچہ وہ دونوں شفاعت کرنے والے بنا دیے جائیں گے۔

●●●

امام الدین سعیدی

مقاصد شریعت

بلا شبہ اللہ کی ذات رحیم و کریم ہے، وہ اپنے بندوں پر بے انتہا لطف فرمانے والا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ﴿۲۰۷﴾ (بقرہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۶۵﴾ (حج)

واقعی اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مہربان رحمت والا ہے۔

اس لیے ہم سب کا عقیدہ ہے کہ اس کے ہر حکم میں بندہ کے لیے سعادت و بھلائی پوشیدہ ہے۔ اسی حکمت و مصلحت کو جو بندہ کی صلاح و فلاح سے متعلق ہے، چاہے وہ دنیاوی معاملات میں ہو، یا اُخروی امور میں؛ مقاصد شریعت کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں احکام بیان کرتے وقت ان مقاصد و مصالح کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے جیسا کہ قصاص کے سلسلے میں ارشاد باری ہے:

وَلَکُمۡ فِی الۡقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۷۹﴾ (بقرہ)

ترجمہ: اے سمجھ بوجھ والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یقول تعالیٰ فی شرع القصاص لکم۔ وھو قتل القاتل حکمۃ عظیمۃ لکم۔ وھی بقاء المھج وصونھا لانہ اذا علم القاتل انہ یقتل انکف عن صنیعہ فکان فی ذلک حیوۃ النفوس۔ (جلد: ۱، ص: ۲۱۱)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے قصاص میں عظیم حکمت رکھی ہے، وہ یہ کہ اس میں انسانی خون کی حفاظت و بقا ہے، اس لیے کہ جب قتل کا ارادہ کرنے والا جان لے گا کہ اُسے بھی قتل کی پاداش میں اپنی جان گنوانی پڑے گی تو وہ قتل سے رک جائے گا اور اس طرح کئی جانوں کو حیات مل جائے گی۔

مقاصد شریعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی شرعی حکم کی وہ مصلحت جو بندے کی سعادت کے لیے ہو، چاہے اس سعادت کا تعلق دنیا سے ہو یا آخرت سے۔ وہ مصالح یا مقاصد جو شارع کی منشا و مراد کے مطابق ہوں، ان کو علمائے اصول نے مجموعی طور سے تین قسموں میں منحصر کیا ہے، یا اس کے تین مدارج بیان کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ مصالح ضرورت۔ ۲۔ مصالح حاجت

۳۔ مصالح زینت

جیسا کہ امام شاطبی فرماتے ہیں:

تکالیف الشریعۃ ترجع الی حفظ مقاصدھا فی الخلق وھذہ المقاصد لاتعدو ثلاثۃ اقسام۔ احدھا ان تکون ضروریۃ والثانی ان تکون حاجیۃ والثالث ان تکون تحسینیۃ۔ (الموافقات ج ۲ ص ۱۷)

ترجمہ: احکام شرعیہ مقاصد خلق کی حفاظت کے لیے وضع کیے گئے ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں: مصالح ضرورت، مصالح حاجت اور مصالح زینت۔

مصالح ضرورت

امام شاطبی فرماتے ہیں:

فاما الضروریۃ فمعناھا انھا لابد منھا فی قیام

مصالح الدین والدنیا بحیث اذا فقدت لم تجر مصالح الدنیا علی استقامة بل علی فساد و تھارج وفوت حیاۃ وفی الاخری فوت النجاۃ والنعیم والرجوع بالخسران المبین۔ (الموافقات، ج:۲،ص:۱۸)

ترجمہ: مصالح ضرورت سے مراد وہ امور ہیں جن پر دین ودنیا کی مصلحتوں کا انحصار ہو اگر ان کی رعایت نہ کی جائے تو مقاصد دنیا کا حصول مشکل ہو جائے اور زندگی ہلاکت وفساد کا شکار ہو جائے اور آخرت کی زندگی میں بھی ثواب و نجات کے بدلے عذاب ورسوائی ملے۔

مصالح ضرورت کے ضمن میں پانچ چیزوں کی حفاظت ورعایت کو ضروری قرار دیا گیا ہے جن پر دین ودنیا کی کامیابی کا مدار ہے بعض علما نے چھ امور درج کیے ہیں۔

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ومقصود الشرع من الخلق خمسة :وهو ان یحفظ علیهم دینهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم،فکل مایتضمن حفظ هذه الاصول الخمسة فهو مصلحة وکل مایفوت هذه الاصول فهو مفسدة ودفعها مصلحة۔

(المستصفی،ص:۱۷۴)

ترجمہ: خلق کے لیے مقصود شرع پانچ ہیں وہ ہیں: دین، نفس، عقل، نسل، مال کی حفاظت۔ چنانچہ ہر وہ شئی جو اُن پانچ اصولوں کی حفاظت کی ضامن ہو وہ مصلحت ہے اور ہر وہ شئی جو ان کو ختم کر دے اس کا تعلق مفاسد سے ہے اور اس کا دفع کرنا مصلحت ہے۔

علامہ شاطبی اپنی کتاب ''الموافقات'' میں لکھتے ہیں:

ومجموع الضروریات خمس:وهی حفظ الدین، والنفس، والنسل، والعقل، والمال وقد قالوا انها مراعاة فی کل ملة۔ (ج:۲،ص:۲۰)

ترجمہ: ضروریات کل پانچ ہیں اور وہ ہیں دین کی حفاظت، نفس کی حفاظت، نسل کی حفاظت، عقل کی حفاظت اور مال کی حفاظت اور علما کے بقول: ہر مذہب میں ان کی رعایت کی جاتی ہے۔

۱۔ دین کی حفاظت: اسلام نے دین کو انسان کی فطرت وضرورت ثابت کیا ہے، تاکہ وہ اللہ کی عبادت واطاعت کا جذبہ مستحکم کرلے اور خود کو ایسے اوصاف اور خوبیوں سے مزین رکھے جن میں اللہ کی رضا ہو۔ رب کائنات کے بنائے ہوئے اصول وقوانین کی پابندی کر کے دونوں جہاں کی سعادت وراحت حاصل کرے دین انسانی زندگی کی ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر کسی بھی کامیابی اور فائدہ کا تصور ناممکن ہے، اس لیے دین کی حفاظت باقی چیزوں کے مقابلے مقدم ہے۔ حفاظت دین ہی کے پیش نظر شریعت نے یہ قانون بنایا کہ کوئی اگر مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ومثاله قضاء الشرع بقتل الکافر المضل وعقوبة المبتدع الداعی الی بدعته۔ (المستصفی،ص:۱۷۲)

ترجمہ: حفاظت دین کی مثال جیسے گمراہ گر کافر کا قتل اور اس بدعتی کو سزا دینا جو اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو۔

اقامت دین اور اس کی حفاظت کے لیے قتال فرض کیا گیا ہے۔

۲۔ جان کی حفاظت: انسانی جان کو شریعت نے بڑی اہمیت دی ہے یہاں تک کہ بعض علما نے اُسے باقی مصالح پر مقدم مانا ہے۔ جان کی حفاظت وبقا کے لیے مناسب مقدار میں کھانا پینا ضروری قرار دیا اور جو بھی نقصان دہ چیز ہے اسے

ممنوع قرار دیا۔ خودکشی اور قتل کو حرام قرار دیا۔

قرآن کریم میں مذکور ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴿۲۹﴾ (نسا)

ترجمہ: اپنے آپ کو قتل مت کرو، بے شک اللہ تمہارے ساتھ رحم فرمانے والا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴿۱۹۵﴾ (بقرہ)

ترجمہ: اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

قصاص اور دیت کے حدود اور قتل جیسے جرم پر سخت وعیدیں اسی مقصد کے پیش نظر ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں قتل کی مذمت اور وعید کے سلسلے میں مذکور ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴿۳۲﴾ (مائدہ)

ترجمہ: جس نے کسی جان کا قتل قصاص کے بغیر کیا یا زمین میں فساد پھیلانے کی غرض سے تو گویا اس نے تمام لوگوں کا قتل کیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی دی۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴿۹۳﴾ (نسا)

ترجمہ: جو شخص جان بوجھ کر کسی مومن کا قتل کرتا ہے تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب بھی ہوگا اور لعنت بھی اور اس کے لیے اللہ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

امام غزالی نے اس کی مثال یوں بیان کی ہے:

وقضائہ بایجاب القصاص إذبہ حفظ النفوس۔

(المستصفی، ص: ۱۷۴)

قصاص کے وجوب کا حکم نفس کی حفاظت کے لیے ہے۔

۳۔ عقل کی حفاظت: احکام شرع کے مکلف ہونے کا مدار عقل ہی ہے، اسی سے انسان کو دوسری مخلوقات پر برتری حاصل ہے، یہ اس کی امتیازی علامت ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر شریعت نے انسانی عقل کی حفاظت کے لیے ان چیزوں کا استعمال ناجائز قرار دیا جن سے عقل کو نقصان پہنچے، یا اس کو مخبوط کردے، جیسے شراب کی حرمت اور دیگر منشیات کا استعمال؛ جن سے قوت عقل متأثر ہوجائے، یا بیکار ہوجائے۔

امام غزالی فرماتے ہیں: وایجاب حد الشرب اذ بہ حفظ العقول التی ھی ملاك التكليف۔ (ایضاً)

ترجمہ: شراب کی حد اس عقل کی حفاظت کے لیے ہے جس پر احکام شرعیہ کا دارومدار ہے۔

۴۔ نسل کی حفاظت: روئے زمین پر انسانی نسل کی بقا کے لیے اللہ رب العزت نے نکاح کو مشروع کیا، پھر اس نسب کو اختلاط سے بچانے کے لیے زنا کو حرام قرار دیا اور اس کے ارتکاب پر حد کا فرمان جاری کیا جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴿۲﴾ (نور)

ترجمہ: بدکار خاتون اور بدکار مرد (غیر شادی شدہ) میں سے ہر ایک کو (زنا ثابت ہوجانے پر) سو سو کوڑے مارو اور ان میں سے کسی پر دین الٰہی کے معاملے میں تمھیں ذرا بھی ترس نہیں آنا چاہیے۔

نسل کی حرمت و عزت کی حفاظت کے لیے اور اسے

مشکوک ہونے سے بچانے کے لیے حدقذف متعین کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ؀ (نور)

ترجمہ: جو لوگ پاکدامن خواتین پر (بدکاری کی) تہمت لگائیں، پھر چار عادل گواہ پیش نہ کرسکیں تو تم انھیں (تہمت لگانے والے کو سزا کے طور پر) اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔

امام غزالی فرماتے ہیں: و ایجاب حد الزنا اذبہ حفظ النسل والانساب۔ (حوالہ سابق)

ترجمہ: حدزنا کا مقصد نسب اور نسل کی حفاظت ہے۔

۵۔مال کی حفاظت: انسانی زندگی میں مال کی اہمیت واضح ہے اور انسانی ضروریات کی تکمیل کا دارومدار اسی پر ہے، اسی لیے اسلام میں جائز طریقوں سے کسب مال کی رغبت دلائی گئی ہے اور اس کو فضول خرچی و اسراف سے بچانے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ؀ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؀ (بنی اسرائیل)

ترجمہ: فضول خرچی نہ کرو، کیوں کہ فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہوتے ہیں۔

چوری کی حد اور اس پر ضمان اسی کی حفاظت کے لیے ہے، جیسا کہ امام شاطبی فرماتے ہیں کہ: ہاتھ کاٹنا اور ضمان لینا مال کی حفاظت کے لیے ہے۔ (الموافقات، ج:۲،ص:۲۰)

مصالح حاجت

وہ مقاصد جن پر دینی یا دنیوی زندگی کی صلاح وفلاح موقوف نہ ہو مگر ان کی رعایت نہ کرنے سے حرج ومشقت پیدا ہو، دفع حرج کے لیے ان کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔

امام شاطبی فرماتے ہیں:

''حاجت سے مراد وہ مصالح ہیں جن کی ضرورت وسعت پیدا کرنے اور حرج وتنگی کو دور کرنے کے لیے درپیش ہو، اگر ان کی رعایت نہ کی جائے تو مکلفین کی زندگی مشقت کی وجہ سے دوبھر ہو جائے مگر وہ فساد اس درجہ کا نہ ہو جو مصالح عامہ کو نظر انداز کرنے سے برپا ہوتا ہے۔''

(الموافقات، ج:۲،ص:۲۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے معاملات میں آسانی اور رخصت چاہتا ہے اور یہ مقاصد شریعت کا ایک اہم حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؀ (مائدہ)

ترجمہ: اللہ تم سے آسانی چاہتا ہے سختی نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ ؀ (مائدہ)

ترجمہ: اللہ تمہارے لیے کوئی پریشانی کھڑا کرنا نہیں چاہتا۔

مصالح حاجت کی مثال: جیسے مسافر کے لیے نماز میں قصر کا حکم یا رمضان میں مسافر اور مریض کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت، امام شاطبی لکھتے ہیں:

ففی العبادات کالرخص المخففة بالنسبة الی لحوق المشقة بالمرض والسفر۔ (الموافقات، ج:۲،ص:۲۱)

ترجمہ: عبادات میں اس کی مثال جیسے مرض یا سفر کی مشقت کی بنا پر تخفیف شدہ رخصتیں۔

مصالح زینت

وہ مقاصد جن پر نہ تو دین و دنیا کی زندگی موقوف ہو اور نہ ان کی رعایت ترک کرنے پر کوئی حرج لاحق ہو، معاملات وعادات میں ان کی حیثیت بس اتنی ہو کہ ان سے مزید بہتری اور حسن وکمال کا کام لیا جاتا ہو، یعنی انسانی زندگی کی وہ خوبیاں جن سے ہر سلیم الفطرت اور باذوق شخص آراستہ ہو۔ یہ اضافی امور ہوتے ہیں بنیادی نہیں، ان کے نہ ہونے سے کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا۔

امام غزالی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

الرتبة الثالثه،مالایرجع الی ضرورة ولاإلی حاجةولکن یقع موقع التحسین والتزیین والتیسیر للمزایاوالمزایدورعایةاحسن المناهج فی المعاملات والعادات۔ (المستصفی، ج:۱،ص:۱۷۵)

ترجمہ: مصالح کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ جو نہ ضرورت کے تحت ہو اور نہ ان کا شمار حاجت میں ہوتا ہو۔ ان کا اعتبار بس ان امور میں ہوتا ہو جنھیں زیب وزینت کے لیے شمار کیا جاتا ہو اور عادات ومعاملات میں ان کو اچھا سمجھا جاتا ہو۔

مصالح زینت میں وہ تمام امور آجائیں گے جن کا استعمال کسی بھی شئی کو کمال تک پہنچانے اور زیب وزینت کے طور پر کیا جاتا ہو، جیسے زینت وآرائش، نفلی عبادات وصدقات، کھانے پینے میں پاکیزہ اور لذیذ چیزوں کا اہتمام وغیرہ۔

قرآن میں اس کی طرف یوں اشارہ ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴿۳۲﴾ (اعراف)

ترجمہ: جس زینت اور حلال رزق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمایا اُسے کس نے حرام ٹھہرایا۔

امام شاطبی اس کی مثال میں لکھتے ہیں:

کآداب الاکل والشرب ومجانبة المآکل النجسات والمشارب المستخبثات۔ (الموافقات، ج:۲،ص:۲۳)

ترجمہ: جیسے کھانے پینے کے آداب اور کھانے پینے کی ناپاک چیزوں سے بچنا۔

مذکورہ بالا وضاحت کے بعد یہ صاف ہوجاتا ہے کہ شریعت مطہرہ کے اندر کس قدر مصلحت وحکمت کا دخل ہے۔ دراصل یہی مصلحت ہمیں شارع کی منشا تک پہنچاتی ہے، اس لیے شرعی مسائل میں ان مقاصد کی معرفت نہایت ضروری ہے۔ خاص کر علما کے لیے جو اس منصب پر فائز ہوتے ہیں کہ لوگ ان سے مسائل شرعیہ کی جانکاری کے لیے رابطہ کرتے ہیں، کیوں کہ اگر ان کو احکام کی مصلحت کا ادراک نہیں تو اُن سے ایسا امکان ہے کہ وہ بعض اوقات ایسے فتاوے صادر کردیں جن میں مقاصد شرع کا لحاظ نہ ہو، مثلاً رفع حرج ایک مصلحت ہے، اگر کوئی دینی احکام جاری کرتے وقت اس مقصد پر نظر نہ رکھیں تو لامحالہ لوگوں کو مشقت وتنگی کا سامنا کرنا پڑے گا، کیوں کہ اس نے مقاصد شریعت کا لحاظ نہیں کیا۔

خلاصہ: مصالح؛ شرع میں معتبر ہوں ان کی رعایت کی جائے ہو، جیسے مصالح ضرورت میں دین کی حفاظت، جان کی حفاظت، عقل کی حفاظت، نسل کی حفاظت، مال کی حفاظت کو اور مصالح حاجت میں دفع حرج کو مصلحت قرار دیا گیا ہے۔ اس کا لازمی تقاضا ہے کہ مسائل وفتاوے ان مقاصد سے ہم آہنگ ہوں۔

✲✲✲

محمد مجیب الرحمٰن علیمی

خیر امت کے فرائض

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ تَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ﴿۱۱۰﴾ (آل عمران)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہو، تم لوگوں کو معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔

اللہ، رب العالمین ہے اور اس نے جس نبی کی امت میں ہم کو پیدا کیا وہ رحمۃ للعالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ بلا تفریق سب کا پالنہار ہے اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے لیے رحمت ہیں۔ اللہ نے ہمارے سروں پر خیر امت ہونے کا تاج رکھا اور خیر وصلاح کی دعوت کی ذمہ داری دی۔

مذکورہ آیت کریمہ میں ''اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ'' آیا ہے ''الناس'' عام ہے اس کے تحت ہر انسان شامل ہے گورا ہو یا کالا، عربی ہو یا عجمی، ہندی ہو یا ایرانی، ایشیائی ہو یا افریقی، یورپی ہو یا امریکی، سب ہمارے مدعو ہیں اور سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہم کو داعی بنایا ہے۔

خیر امت ہونے کے اعتبار سے ہماری ذمے داریاں بڑھ جاتی ہیں، ہر وقت اور ہر جگہ ہم خیر کی دعوت دینے والے ہیں، خواہ دنیا کے جس حصہ میں ہوں، ہر آنے والا ہمارا مدعو ہے، ہماری ذمے داری ہے کہ دعوت کے فرائض سے ہم کبھی غافل نہ رہیں، ہر آنے والا اور ہم سے ملنے والا، خواہ اپنا ہو یا پرایا، ہر ایک کے ساتھ ہمارا سلوک داعیانہ ہونا چاہیے اور حسن خلق اور حکمت وموعظت کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ حسن خلق اور حکمت وموعظت کے بغیر ہم دعوت کے فرائض ادا نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ ﴿۱۲۵﴾ (سورۂ نحل)

ترجمہ: تم بندوں کو رب کے راستے کی طرف حکمت و موعظت کے ساتھ دعوت دو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے دعوت کا طریقہ بتایا کہ داعی جب اپنے مدعو سے گفتگو کرے تو حکمت اور دانائی کے ساتھ گفتگو کرے، ایسی گفتگو نہ کرے جس کی وجہ سے مخاطب نفرت کرنے لگے، اچھی باتوں کو اچھے اور دلکش انداز میں پیش کرے، تاکہ مخاطب پوری توجہ اور محبت سے سنے اور قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

انداز دعوت ایسا ہو کہ مدعو آپ کی بات قبول کرنے پر مجبور ہو جائے، دعوت میں حکمت کے استعمال کے یہی معنی ہیں۔

آپ کا مدعو اگر کوئی معقولی شخص ہو تو داعی کو چاہیے کہ اپنی گفتگو معقولی انداز میں پیش کرے جو عقل کو از سر نو غور کرنے اور پھر قبول کرنے پر مجبور کر دے۔ یوں ہی مدعو اگر عاشق مزاج

اور درد الفت کا گرفتار ہو تو داعی کو چاہیے کہ اس عاشق مدعو سے گفتگو کے وقت ایسے واقعات لائے جو اس کی محبت کو خالص بنادے اور اس کے اندر عشق الٰہی کی شمع روشن کردے۔

داعی جس قدر حکمت، مواعظ حسنہ اور حسن خلق کا جامع ہوگا اس کی دعوت اسی قدر موثر اور دیرپا ہوگی۔

دعوت کے میدان میں داعی کو پریشان کن اور تکلیف دہ مراحل سے بھی گزرنا پڑ سکتا ہے ایسے مواقع پر صبر کے ساتھ جمے رہنا ضروری ہے، کیوں کہ داعی اگر صابر نہیں تو حقیقت میں دعوت کا اہل ہی نہیں، اگرچہ بظاہر شکل وصورت اور وضع قطع کے اعتبار سے سراپا داعی معلوم ہوتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴿۱۲۵﴾ (نحل)

ترجمہ: اور جب تم کو مدعو سے بحث ومباحثہ کرنا پڑے تو احسن طریقہ اپناؤ۔

مدعو اگر داعی سے حکمت، مواعظ حسنہ اور حسن خلق کے جواب میں مجادلہ اور لڑائی جھگڑے کے لیے آمادہ ہو جائے تو داعی کو اس وقت بھی احسن طریقے پر قائم رہنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ برائی کا بدلہ بھلائی، سختی کا بدلہ نرمی اور شر کا بدلہ خیر سے دے، ایسا نہ ہو کہ داعی بھی غضب ناک ہو جائے اور مدعو کی بدتمیزی کے جواب میں مدعو کے طریقے پر اتر جائے۔

ایسی صورت میں دعوت کا کام موثر نہ ہو پائے گا۔ ایسے موقع پر داعی صبر کا دامن نہ چھوڑے، ممکن ہے کہ جس نے آج آپ کے ساتھ بدخلقی کا مظاہرہ کیا ہے، نادم ہو جائے اور حق کی پیروی میں لگ جائے۔

✲✲✲

”شاہ صفی اکیڈمی“ الہ آباد کی فخریہ پیش کش

● علامہ قطب الدین دمشقی قدس اللہ سرہٗ کی مشہور متن تصوف

الرسالۃ المکیۃ

ترجمہ اور تحقیق وتخریج کے ساتھ جلد منظر عام پر

عبدالباری مصباحی

دین اخلاص کا نام ہے

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الدِّيْنُ النَّصِيحَةُ۔ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دین اخلاص کا نام ہے۔

صحابہ کرام نے دریافت کیا:

کس کے لیے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دین اللہ عزّوجل، اس کی کتاب، اس کے رسول، ائمہ مسلمین اور عام لوگوں کے ساتھ اخلاص کا نام ہے۔

یہ بہت اہم حدیث ہے، اس کے اندر چند لفظوں میں تمام احکام اجمالاً ذکر کر دیے گئے ہیں، جس کے ذریعے اسلام کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، اسی لیے محدثین کرام نے اس حدیث کو اُن چار حدیثوں میں سے ایک شمار کیا ہے، جن کے بارے میں محدثین کرام کا قول ہے کہ اسلام کا دارومدار ان ہی چار حدیثوں پر ہے۔

اس حدیث کی طرف یہ آیت بھی رہنمائی کرتی ہے جس میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴿٩١﴾ (توبہ)

ترجمہ: جب وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے مخلص رہیں۔

اس حدیث پاک میں پانچ چیزوں کا بیان ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص
۲۔ قرآن کریم کے ساتھ اخلاص
۳۔ رسول اللہ کے ساتھ اخلاص
۴۔ ائمہ مسلمین کے ساتھ اخلاص
۵۔ عام مسلمان کے ساتھ اخلاص

ان پانچوں کے ساتھ اخلاص، خیر خواہی اور بھلائی کرنے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ ذیل میں دی جارہی تفصیلات سے سمجھا جاسکتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لائے اور اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس کے مقابل کسی کو معبود نہ جانے، اس کی ذات وصفات کو تمام عیوب ونقائص سے پاک اور منزہ جانے، اس کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی سے بچے،

نیز اس کی اطاعت کرنے والوں سے محبت رکھے اور اس کی نافرمانی کرنے والوں سے دور رہے، بلکہ جو کچھ بھی عبادات کرے وہ اخلاص کے ساتھ کرے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ عقیدہ دل میں جمانا حقیقت میں انسان کا اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی ہے، کیونکہ ان سب چیزوں کا فائدہ خود اُس کی جانب ہی لوٹنے والا ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بندوں کے اعمال اور ان کی عبادات سے بے نیاز ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص کے معنی کی طرف یہ حکایت بھی رہنمائی کرتی ہے کہ: ایک مرتبہ کچھ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے پوچھا:

ہمیں بتائیے کہ اللہ کا مخلص بندہ کون ہے؟

آپ نے فرمایا: جو اللہ کے حق کو لوگوں کے حق پر مقدم جانے اور جب ایک کام دین کا اور ایک دنیا کا آجائے تو دینی کام کی اہمیت کا پورا لحاظ رکھے، پھر دینی کام سے فارغ ہو کر دنیوی کام کو انجام دے۔ (تفسیر ابن کثیر، زیر آیت: اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ)

۲۔قرآن کریم کے ساتھ اخلاص

قرآن کریم کے ساتھ اخلاص یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، ہر شک و شبہ سے پاک ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسے نازل ہوئی تھی ویسی ہی ہم تک پہنچی ہے، اس کی تعظیم کی جائے، زیادہ سے زیادہ اس کی تلاوت کی جائے، اس میں بیان کیے گئے احکام کی پیروی کی جائے اور ہر انسان تک اس کے پیغامات پہنچائے جائیں، نیز اس کے معانی میں غور و فکر کیا جائے، تفاسیر دیکھے جائیں اور زیادہ سے زیادہ قرآن کریم حفظ کیا جائے، اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم دی جائے۔

۳۔رسول اللہ کے ساتھ اخلاص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی یہ ہے کہ دل اور زبان سے آپ کی رسالت کی تصدیق اور اس کا اقرار کیا جائے، آپ کی لائی ہوئی تمام باتوں پر ایمان لایا جائے، آپ کے تمام احکامات کی اطاعت کی جائے، آپ کے دین حق کی مدد کی جائے، آپ کی سنتوں پر عمل کیا جائے، آپ کے اخلاق حسنہ سے اپنے آپ کو سجانے کی کوشش کی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر بجالانا عین ایمان تصور کیا جائے، نیز آپ کے اہل بیت اور آپ کے اصحاب کرام سے محبت رکھی جائے اور آپ کی بارگاہ میں کثرت سے درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا جائے۔

۴۔ائمہ مسلمین کے ساتھ اخلاص

ائمہ مسلمین کے ساتھ خیر خواہی کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق بات میں اُن کی معاونت کرے، ان کے خلاف بغاوت نہ کرے، ان کی اقتدا میں نماز ادا کرے، دین حق کی اشاعت اور اس کے تحفظ میں جان و مال کے ساتھ اپنے امام کی سربراہی میں مشغول رہے اور ان کو صدقات ادا کرے، اُن کے ساتھ حسن ظن رکھے اور اُن کی تعظیم و توقیر کرے۔

۵۔ عام لوگوں کے ساتھ اخلاص

عام لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں اُن کی بہتری کے لیے انسان اُنھیں نصیحت کرے، ان سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرے، ان پر شفقت کرے اور ان کے عیوب کی پردہ پوشی کرے۔

جو احکام وہ نہ جانتے ہوں انھیں بتائے، نیکی کے کاموں میں ان کی مدد کرے، دنیا و آخرت میں ہلاک کرنے والی چیزوں سے انھیں روکنے کی کوشش کرے اور حاجت مندوں کی حاجت پوری کرے۔

جو بیمار ہوں اُن کی عیادت کرے، اگر اُن کا انتقال ہو جائے تو اُن کی نماز جنازہ میں شریک ہو، بعد وفات اُن کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کرے اور ان کے لیے بھی وہی چیزیں پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، بلکہ اپنے ہاتھ اور زبان سے بھی ان کو نقصان نہ پہنچائے۔

چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔
(صحیح مسلم، کتاب الایمان)

ترجمہ: مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو سلامتی پہنچے۔

قرآن وحدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خیر خواہی والے کاموں میں سب سے بہتر کام خدمت خلق ہے اور خدمت خلق میں ایک انسان کے لیے سب سے بہتر اور فائدہ مند کام یہ ہے کہ وہ دوسرے انسان کو ان اعمال سے بچائے جو اُنھیں جہنم میں لے جانے والے ہیں، جیسے: شراب نوشی، زنا کاری، سود خوری، جوا، والدین کی نافرمانی اور دوسروں پر ظلم کرنا۔

کیونکہ اُخروی اعتبار سے کسی بھی انسان کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے عذاب سے نجات پا جائے اور ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں سے مالا مال ہو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکے گا جب کہ ایک انسان ان تمام خرافات اور برے اعمال سے پرہیز کرے جن کا ذکر اوپر کی تحریروں میں ہوا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

٭٭٭

صبر کی حقیقت

امام ابو القاسم قشیری قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

اَلْحَیَاۃُ الطَّیِّبَۃُ ھِیَ الْقَنَاعَۃُ۔

(رسالہ قشیریہ)

ترجمہ: پاکیزہ زندگی جینا ہی اصل میں صبر ہے۔

محمد مدثر رضا مصباحی

غیبت حرام ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًاؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۲ (حجرات)

ترجمہ: ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تم تو اس بات کو ناپسند کروگے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

غیبت حرام ہے اور اس کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے لیکن ہاں! شرعی مصلحت کی بنا پر کسی کا عیب بیان کرنا غیبت میں داخل نہیں، جیسے: محدثین کرام کا کسی راوی کے احوال بیان کرنے میں اس کی کمی اور نقص بیان کرنا غیبت میں شامل نہیں ہے، کیوں کہ اس سے لوگوں کو دینی فائدہ پہنچے گا اور لوگ ان عیوب سے باخبر ہونے کے بعد ایسے راویوں کی بیان کی گئی حدیثوں سے بچنے کی کوشش کریں گے۔

اسی طرح امیر، استاذ، شیخ اور جو لوگ ان کی منزل میں ہیں ان سے ان کے مامور، شاگرد اور مرید کی کمی اور عیب بیان کرنا، تاکہ وہ اس کی اصلاح کرے غیبت نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک فاجر شخص کے بارے میں فرمایا: یہ بہت برا آدمی ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

معاویہ مفلس شخص ہے اور ابوالجہم مارنے پیٹنے والا آدمی ہے، یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب کہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا تھا۔

اس طرح سے دوسری دینی اور سماجی مصلحتوں کے تحت غیبت (عیب اور نقص واضح) کرنے کی اجازت ہے جب کہ عام حالات میں غیبت حرام اور کبیرہ گناہ ہے، اسی لیے یہاں کہا گیا ہے کہ: جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے میں کراہت محسوس کرتے ہو اُس سے بھی زیادہ نفرت تمھیں غیبت سے کرنی چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر، زیر آیت: ولا یغتب)

حدیث پاک میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟

صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جاننے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(غیبت یہ ہے کہ) تم اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کرو جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہے۔

صحابہ کرام نے پھر دریافت کیا:

جس عیب کو میں بیان کرتا ہوں اگر وہ عیب میرے بھائی میں موجود ہو تو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو عیب تم بیان کر رہے ہو اگر وہ عیب اس میں موجود ہو جب ہی تو وہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ عیب نہیں ہے پھر تو وہ بہتان ہے۔ (صحیح مسلم رقم: ۲۵۸۹، سنن ابوداؤد، رقم: ۴۸۷۴)

حضرت ابوسعید اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

غیبت زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے۔

صحابہ کرام نے عرض کیا:

یارسول اللہ! غیبت کرنا زنا سے زیادہ سخت کیسے ہوگا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک آدمی جب زنا کرتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور غیبت کرنے والے کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی جب تک کہ جس کی غیبت کی ہے وہ اس کو معاف نہ کر دے۔ (شعب الایمان، رقم: ۶۳۵۴)

قرآن کی آیت، اس کی تفسیر اور احادیث کریمہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ شرعی مصلحت کے بغیر کسی کا نقص اور عیب بیان کرنا غیبت میں شامل ہے جو سخت حرام ہے اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ انسان کراہت کی وجہ سے جس طرح مردار کے گوشت سے دور رہتا ہے، ٹھیک اسی طرح انسانی فریضہ ہے کہ غیبت سے پرہیز کرے۔

امام محمد غزالی قدس اللہ سرہٗ غیبت کے معنی اور اس کی حدود بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کا اس طرح ذکر کیا جائے کہ اگر وہ سنے تو برا جانے، خواہ اس ذکر کا تعلق اس کے جسمانی نقص سے ہو، یا اخلاقی عیب سے، یا اس کے قول وفعل کو نشانہ بنایا جائے، یا اس کے دین و دنیا، کپڑے اور جانور کے بارے میں بھی ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو اُسے ناگوار گزرے، یہ ساری باتیں غیبت ہیں۔

● بدن کا عیب یہ ہے کہ کسی کو گنجا، پستہ قد، لمبا، کالا، یا زرد۔رو کہا جائے، یا کسی ایسی صفت سے اس کو متصف کیا جائے جس کا جسم میں موجود ہونا اچھا نہ ہو۔

● اخلاقی عیب بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فلاں شخص بدمزاج، بخیل، متکبر، ریاکار، بہت جلد غصہ ہو جانے والا، بزدل، کمزور اور عاجز و درماندہ ہے یا ایسی ہی کسی اخلاقی برائی میں مبتلا ہے۔

● دین سے تعلق رکھنے والے افعال میں اس طرح عیب لگایا جا سکتا ہے کہ وہ چور ہے یا جھوٹا ہے، بے ایمان، ظالم، نماز، روزہ اور دیگر عبادات میں سستی کرنے والا، رکوع، سجود اچھی طرح ادا نہ کرنے والا ہے یا اپنے روزے کو غیبت اور بدگوئی سے نہ بچانے والا ہے۔

● دنیا سے تعلق رکھنے والے افعال میں عیب اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بے ادب ہے، لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش نہیں آتا، دوسروں کا کوئی حق اپنے اوپر تسلیم نہیں کرتا لیکن دوسروں پر اپنا حق سمجھتا ہے، زیادہ بولتا ہے، زیادہ سوتا ہے اور جہاں نہیں بیٹھنا چاہیے وہاں بیٹھتا ہے۔

● کپڑوں میں عیب اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی آستینیں چوڑی ہیں، اس کا دامن وسیع ہے نیز اس کے کپڑے گندے اور میلے ہیں۔

غیبت صرف زبان ہی سے نہیں ہوتی

غیبت صرف زبانی ذکر ہی کو نہیں کہتے، بلکہ ہر وہ عمل غیبت میں داخل ہے جس سے تمہارے بھائی کا عیب کسی دوسرے پر ظاہر ہو جائے، خواہ اشارے سے ہو، یا کنائے سے، یا کسی واضح یا غیر واضح حرکت سے، غیبت کے سلسلے میں تصریح، ابہام، قول، فعل، رمز، اشارہ سب حرام اور ناجائز ہیں۔

(احیاء العلوم، جلد: ۳، ص: ۲۲۰)

علمائے کرام اور غیبت

بدترین غیبت ریاکار علما کی غیبت ہے، کیوں کہ وہ اچھے بن کر اپنا مقصود ظاہر کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غیبت نہیں کرتے، حالانکہ وہ جہالت میں مبتلا ہیں، انھیں معلوم نہیں کہ وہ بیک وقت دو دو گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں:

۱۔غیبت ۲۔ریا

چنانچہ جب ان کے سامنے کسی شخص کا ذکر ہوتا ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں بادشاہوں کے درباروں میں آنے جانے کی آزمائش میں مبتلا نہیں کیا، یا یہ کہ دنیا کی طلب کے لیے ذلت سے بچایا اور بطور دعا یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بے شرمی اور ذلت سے بچائے۔ ان کا مقصد دوسرے کا عیب ظاہر کرنا ہے اور بعض اوقات غیبت سے پہلے کسی شخص کی تعریف کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ فلاں شخص اچھا ہے، کس قدر عبادت کرتا ہے، لیکن وہ ایک بری عادت میں مبتلا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس میں صبر و قناعت کا عنصر بہت کم ہے۔

دیکھیے بظاہر اس میں اپنی مذمت موجود ہے لیکن مقصد ہرگز اپنے نفس کی مذمت نہیں، بلکہ دوسرے کا عیب ظاہر کرنا ہے۔ (احیاء العلوم، جلد: ۳، ص: ۲۲۱-۲۲۰)

غیبت کے اسباب

غیبت کے اسباب یہ ہیں:

● **کینہ اور غضب:** کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جو دل میں غصے کی آگ بھڑکا دے، جب دل میں غصے کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ غصہ دلانے والے کے عیوب کے ذکر ہی سے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ بعض اوقات انسان اپنے غصے پر قابو تو پا لیتا ہے لیکن دل میں کینہ باقی رہتا ہے جو برائی کا سبب بنتا ہے۔

● **موافقت:** دوستوں اور ہم نشینوں کی تائید و تصدیق کرنا اور ان کے دیکھا دیکھی خود بھی غیبت میں مبتلا ہو جانا اور غیبت پر اُن کی معاونت اور موافقت کرنا۔

● **برأت:** کبھی کسی برائی سے اپنی برأت مقصود ہوتی ہے، اس صورت میں دوسرے شخص کا حوالہ دے کر وہ کہتا ہے کہ تنہا میں نے ہی یہ کام نہیں کیا، بلکہ فلاں شخص بھی اس میں شریک تھا یا وہ یہ کام کر چکا ہے۔

● **بڑائی کا اظہار:** وہ اس طرح کہ دوسرے شخص میں عیب نکال کر اپنی بڑائی ظاہر کرے، مثلاً یہ کہے کہ فلاں شخص جاہل اور ناسمجھ ہے۔ اس تنقید سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب پر اپنی فضیلت کا اظہار کرے۔

● **دل لگی:** کبھی دوسرے کے عیب اس لیے ظاہر کیے جاتے ہیں تاکہ محفل میں دل چسپی کی فضا پیدا ہو اور اہل مجلس کو ہنسنے ہنسانے کا موقع ملے اور اچھا وقت گذرے۔

● **جذبہ شفقت:** کسی شخص کی حالت غم زدہ ہو جائے اور اسے معیوب چیز میں مبتلا دیکھ کر یہ کہے کہ فلاں شخص کی موجودہ حالت نے مجھے پریشان کر رکھا ہے، مجھے اس کی حالت پر افسوس ہے، افسوس کا دعویٰ صحیح اور قابل قدر ہے لیکن نام لینا غضب ہو گیا اور ایک اچھا جذبہ غیبت کا سبب بن گیا۔

● **اللہ کے لیے غصہ:** کسی شخص کو غیر شریفانہ حرکت میں مبتلا دیکھ کر، یا اس کے متعلق کوئی غلط بات سن کر ایمانی غیرت وحمیت کے تقاضے سے غصہ آتا ہے، اگر غصہ آیا اور نام لے کر اس کا اظہار کیا تو یہ عمل بھی ثواب سے محرومی کا سبب بن جائے گا، بلکہ الٹا غیبت کا سبب بن جائے گا۔

غیبت کا علاج

غیبت کا سبب غضب ہو تو اس کا علاج اس طرح کرنا چاہیے کہ اگر میں غضب ناک ہوا اور اس پر قابو نہ پا سکا تو اللہ تعالیٰ غیبت کی وجہ سے ناراض ہو جائے گا۔ اگر غیبت کا سبب موافقت ہو تو یہ سوچنا چاہیے کہ اگر میں نے مخلوق کی رضامندی حاصل کر بھی لی تو مجھے کیا فائدہ جب کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہے اور دوسروں کا حوالہ دے کر اپنی برأت کرنے میں دو گناہ ہیں:

● ایک تو غیبت کا گناہ

● دوسرا عذر کا گناہ

اور عذر گناہ؛ گناہ سے بدتر ہوتا ہے۔

اور اگر غیبت کا سبب دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنا ہو تو اس کا علاج اس فکر سے کرے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو میرا رتبہ تھا وہ غیبت کی وجہ سے باقی نہ رہا۔

کسی شخص کو دیکھ کر رحم کھانا اگرچہ مستحسن جذبہ ہے لیکن شیطان تمہاری نیکی سے حسد رکھنے کی وجہ سے تمھیں گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا اور تمہاری زبان سے ایسا لفظ نکلوا دے گا جس کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق ہو گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی غصہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی شخص کی غیبت کی جائے۔

عیب ونقص بیان کرنے کی رخصت

غیبت (عیب ونقص) بیان کرنے کی اجازت کن مواقع پر ہے وہ یہاں درج کیے جاتے ہیں:

● ظلم کی دادرسی کے لیے

● منکر کے ازالے اور معصیت دور کرنے پر مدد حاصل کرنے کے لیے

● فتویٰ حاصل کرنے کے لیے

● مسلمانوں کو شر سے بچانے کے لیے

● کھلے فسق کی وجہ سے

غیبت کا کفارہ

غیبت کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ اپنے فعل پر نادم ہو اور توبہ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حق سے بری الذمہ ہو جائے، پھر اس شخص سے معافی طلب کرے جس کی غیبت کی ہے۔ صرف زبان سے معافی کی درخواست کافی نہیں، بلکہ معافی دل سے ہو۔ (احیاء العلوم، جلد: ۳)

●●●

شاہ صفی اکیڈمی الہ آباد کی دو فخریہ پیش کش

● علامہ قطب الدین دمشقی قدس اللہ سرہٗ کی مشہور متن تصوف

الرسالة المكية

ترجمہ اور تحقیق وتخریج کے ساتھ جلد منظر عام پر

● حضرت مخدوم شیخ سعد خیر آبادی قدس اللہ سرہٗ (۹۲۲ھ) کے قلم سے

اس متن تصوف کی عالمانہ وعارفانہ شرح

مجمع السلوک

جو شریعت وطریقت کا انسائیکلو پیڈیا اور سالکین وطالبین

کے لیے دستور العمل ہے۔

حضرت مولانا ضیاء الرحمن علیمی صاحب نے اس کا سلیس اور با محاورہ ترجمہ مکمل کر لیا ہے

جو اَب نظر ثانی کے مرحلے میں ہے۔

تحقیق وتخریج کے ساتھ بہت جلد اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔ (ان شاء اللہ)

حج کے اسرار

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہٗ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم تھے۔ آپ کی پیدائش سنہ ۱۱۱۴ ہجری مطابق ۱۷۰۴ عیسوی اور وفات ۱۱۷۴ ہجری دہلی میں ہوئی۔ آپ نے بہت سی اہم کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، جن میں ایک مشہور کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' بھی ہے۔ ماہ رواں کی مناسبت سے اسی کے ایک باب کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ قارئین خاطر خواہ فائدہ حاصل کرسکیں۔ (ادارہ)

یہ ذہن نشین رہے کہ حج کی حقیقت یہ ہے کہ ایک خاص وقت میں صالحین کا ایک عظیم اجتماع ہو۔ جہاں انعام یافتہ لوگ مثلاً انبیا، صدیقین، صالحین اور شہدا کے احوال کو یاد کیا جائے اور یہ اجتماع ایسے مقام پر ہو جہاں واضح نشانیاں ہوں، جہاں ائمہ دین شعائر الٰہی کی تعظیم کرتے ہوئے، خشوع وخضوع کے ساتھ، اللہ سے بھلائی حاصل کرنے اور گناہوں کی بخشش کی امید رکھتے ہوئے جمع ہوئے ہوں، اس لیے کہ جب اس کیفیت کے ساتھ مختلف ہمتیں اکٹھی ہوں گی تو رحمت و مغفرت کا نزول ضرور ہوگا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَا رُئِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيهِ أَصْغَرُ، وَلَا أَدْحَرُ، وَلَا أَحْقَرُ، وَلَا أَغْيَظُ مِنْهُ يَوْمَ عَرَفَةَ۔

(شعب الایمان، المناسک)

ترجمہ: شیطان عرفہ کے دن سب سے زیادہ ذلیل، مردود، حقیر اور غضب ناک ہوتا ہے۔

حج کی اصل ہر قوم میں موجود ہے، ان کا ایک مقام لازمی طور پر ایسا ہے کہ جس سے وہ برکت حاصل کرتے ہیں، جب کہ وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیاں دیکھتے ہیں اور اس طرح ہر قوم میں، تقرب الی اللہ کے کچھ اعمال اور اسلاف سے منقول کچھ افعال اور ان کی شکلیں موجود ہوتی ہیں، جن کی وہ پابندی کرتے ہیں، اس لیے کہ یہ باتیں مقربین کو ان کے پاکیزہ احوال کی یاد دلاتی ہیں۔

بیت اللہ ہی ایسی جگہ ہے جو کہ حج کرنے کے سب سے زیادہ قابل ہے، اس میں واضح نشانیاں ہیں۔ جس کو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی کے بعد تعمیر کیا۔ جن کے بارے میں تمام پچھلی امتیں بھی اچھی شہادت ورائے پیش کرتی ہیں۔ اس سے قبل یہ علاقہ ویران اور بنجر تھا۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی بھی مقام شرک یا بے اصل اور من گڑھت باتوں سے خالی نہیں تھا۔

نفس کی طہارت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسی جگہ رہائش اختیار کی جائے جس کی صالحین ہمیشہ تعظیم وتوقیر کرتے ہوں اور وہ اس جگہ رہ کر اس مقام کو اللہ کی یاد سے معمور کرتے ہوں۔ان باتوں سے دراصل نچلے طبقے کے فرشتوں کی ہمتیں حاصل ہوتی ہیں اور اہل خیر کے حق میں ملا اعلی کی برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔جب انسان یہاں آ کر رہائش کرتا ہے تو صالحین کے رنگ اس کے نفس پر غالب آجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور شعائر اللہ کو دیکھنا اور ان کی تعظیم وتوقیر کرنا بھی ذکر اللہ میں داخل ہے، جیسے کہ ملزوم کے باعث لازم یاد آجاتی ہے۔خصوصاً جب تعظیمی احوال اور ان کے حدود وقیود کی پابندی کی جائے تو نفس خوب ہوشیار ہوجاتا ہے۔

بسااوقات انسان اپنے رب کا بڑا مشتاق ہوجاتا ہے، وہ ایسی چیز کا ضرورت مند ہوتا ہے جو اُس کے شوق کو پورا کرے مگر اُسے حج کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ملتی اور جس طرح سلطنت کو ضرورت ہوتی ہے کہ ایک مقررہ مدت کے بعد دربار منعقد کیا جائے، تاکہ وفادار اور خیانت کرنے والے میں امتیاز ہوجائے، یہ پتہ لگایا جائے کہ کون مخلص تابعدار ہے اور کون سرکش؟ تاکہ اس سلطنت کی شہرت ہو، اس کا بول بالا ہو اور ملک والوں کا باہم تعارف بھی ہوجائے۔

اسی طرح ایک ملت بھی حج کی محتاج ہے، تاکہ مخلص اور منافق کے درمیان امتیاز ہوجائے، دین الٰہی کے اندر گروہ درگروہ لوگوں کے داخل ہونے کا مظاہرہ ہوجائے اور ایک ملت کے افراد ایک دوسرے سے ملاقات کرسکیں اور ہر آدمی دوسرے سے وہ حاصل کرے جو اُس کے پاس نہیں ہے، اس لیے کہ مصاحبت اور باہم ملاقات سے پسندیدہ اور مرغوب باتیں حاصل ہوتی ہیں۔

اور جب حج کو ایک مشہور رسم کے طور پر کیا جائے پھر بھی وہ رسمی خرابیوں کو دور کرنے میں فائدہ پہنچاتا ہے اور مزید یہ کہ ائمہ دین کے حالات کے تذکرے اور ان کے احوال واعمال کی پابندی پر ابھارنے کے معاملے میں حج جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔

چونکہ حج کرنا ایک مشہور سفر اور دشوارترین عمل ہے، جو سخت نفسانی مشقت اٹھانے کے بعد ہی مکمل ہوتا ہے، اس لیے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے حج ادا کرنے سے گناہ دور ہوجاتے ہیں اور پچھلی تمام برائیاں مٹ جاتی ہیں، جیسے کہ ایمان پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ، باب اسرار الحج)

●●●

ایمان کامل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا إیمان لمن لا أمانة له۔ (مسند احمد، انس بن مالک)

ترجمہ: اس شخص کا ایمان کامل نہیں جو امانت دار نہیں۔

سید قمر الاسلام

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے---

قرآن کریم کے صفحات میں جن انبیا کے تذکرے موجود ہیں، ان میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات گرامی کئی جہتوں سے ممتاز ہے۔ آپ کی نسل میں ہزاروں کی تعداد میں انبیائے کرام پیدا ہوئے، اسی وجہ سے آپ کو ابو الانبیا (نبیوں کا باپ) کہا جاتا ہے۔ اہل عرب کا شجرۂ نسب آپ تک پہنچتا ہے، اس لیے ابو العرب بھی آپ کا مشہور لقب ہے۔ کعبہ مطہرہ جو اس دنیا میں اللہ رب العزت کی سب سے پہلی عبادت گاہ ہے، اس کی تعمیر بھی حضرت ابرہیم نے کی۔ اس لیے آپ معمار کعبہ سے بھی مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ حج وقربانی بھی آپ کی یادگار ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو اپنا خلیل بھی منتخب فرمایا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ حکم دیا:

ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَ مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ (نحل)

یعنی آپ سے ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ ملت ابراہیم کی اتباع کیجیے۔

قرآن کے اندر آپ کے واقعات میں غور کرنے سے جو سب سے نمایاں وصف نظر آتا ہے، راقم السطور کے خیال کے مطابق وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جذبۂ عشق الٰہی ہے جو زندگی کے ہر میدان میں ان کے اندر تحریک پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک ایسے عبد کامل کی داستان ہے جس کے رگ وریشے میں عشق ہی کی کارفرمائی ہے۔ عشق اس کے باطن کو توانائی سے بھر دیتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کے اندر آگ میں بے خطر کود جانے کا حوصلہ ہے۔ عشق ہی کی بدولت پوری دنیا پر حکومت کرنے والے فرماں روا سے وہ ٹکرا جاتا ہے۔ ہزار منتوں کے بعد پیری (ضعیفی) میں ملنے والا عزیز بیٹا جو اس کی اصل پونجی اور بڑھاپے کی لاٹھی ہے، اللہ کے ایک حکم پر اس کے گردن پر چھری چلا دینے میں اسے کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔

رب العالمین کا ذکر سننے کے لیے اپنی ساری دولت داؤں پہ لگانا پڑ جائے تب بھی اس کا پائے استقلال متزلزل نہیں ہوتا۔ وہ صرف اللہ سے اپنے رشتے کو استوار کرنا چاہتا ہے، اس کے علاوہ ہر اس چیز سے وہ ناطہ توڑتا ہوا نظر آتا ہے، جو اسے اللہ سے دور کرنے والی ہے۔ وہ کائنات کا نظارہ تو کرتا ہے لیکن کائنات کی کوئی چیز اس کے لیے مشاہدۂ حق سے حجاب نہیں بن پاتی۔ وہ آسمان وزمین کی وسعتوں میں گم نہیں ہوتا، اس کی منزل ان ستاروں کی چکا چوند سے بہت آگے ہوتی ہے۔ اس کی زبان حال سے ہر دم یہ صدا بلند ہوتی ہے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (انعام)

’’صرف اسی کا ہوکر میں نے اپنا رخ زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے کی طرف کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں‘‘

حضرت ابراہیم کی حیات طیبہ کا ایک نہایت اہم پہلو آپ کا داعیانہ وصف بھی ہے۔ دعوتی لحاظ سے آپ کے اور آزر کے درمیان ہوئے اس مکالمے کی بڑی اہمیت ہے جسے سورۂ مریم میں بیان کیا گیا ہے، اس کی قدر وقیمت کا اندازہ پڑھنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے:

حضرت ابراہیم: اے میرے چچا! آپ ایسی چیز کی پرستش کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتی ہے، نہ ہی کچھ دیکھ سکتی ہے اور نہ اس کے ذریعہ آپ کو کوئی نفع ملنے والا ہے؟

چچا جان! مجھے میرے رب کی طرف سے وہ علوم عطا کیے گئے ہیں، جن سے آپ ناآشنا ہیں، لہٰذا آپ میری بات مان لیجئے میں آپ کو سیدھا راستہ ہی دکھاؤں گا۔

چچا جان! آپ شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں، شیطان تو رحمن (اللہ) کا نہایت نافرمان ہے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ آپ رحمن کے عذاب میں گرفتار ہوکر شیطان کے مددگار ثابت ہوں گے۔

آزر: نہایت سخت لہجے میں دھمکانے کے انداز میں بولا: ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے بیزار اور متنفر ہو؟ اگر اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو میں تمھیں سنگ سار کر ڈالوں گا، تم مجھ سے لمبی مدت کے لیے دور ہو جاؤ۔

حضرت ابراہیم: اچھا، سلام! میں اپنے رب سے آپ کے لیے استغفار کروں گا، بلاشبہ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور میں آپ لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں اور ان چیزوں سے بھی برات کا اظہار کرتا ہوں، اللہ کو چھوڑ کر جن کی آپ پرستش کرتے ہیں۔ میں اپنے رب کی عبادت کرتا رہوں گا، مجھے امید ہے کہ اپنے رب کا ہوکر میں بدبخت نہیں ہوسکتا۔ (مریم ۴۱ تا ۴۸)

یہ نہایت سبق آموز اور عبرت انگیز مکالمہ ہے اور دعاۃ ومبلغین کے بار بار پڑھنے کی چیز ہے۔ ایک اڑیل اور ہٹ دھرم کے سامنے نہایت تحمل اور معقولیت کے ساتھ اپنی بات رکھنا۔ مخاطب کے طرز عمل کی کمزوری نہایت صاف گوئی سے بیان کردینا اور حق روشن ہونے کے بعد بھی اپنے غلط رویے پر اڑے رہنے کے خطرناک نتائج سے مخاطب کو آگاہ کرنا، اس واقعے کے اہم نکات ہیں اور پھر مخاطب کے سامنے اپنی بات رکھنے سے پہلے ’’اے میرے چچا!‘‘ کے ذریعے محبت وہمدردی کے جذبے کا اظہار، بڑا پرلطف محسوس ہوتا ہے۔

اس کے باوجود جب آزر کا دل نہیں پسیجا اور حضرت ابراہیم کی معقول ومدلل گفتگو کا اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا، تو وہ نہایت بدتمیزی اور سوقیانہ زبان پر اتر آیا۔ ڈرانے دھمکانے لگا۔ پھر بھی حضرت ابراہیم نے صبر وضبط کا مظاہرہ

کیا اور نہایت شائستگی و متانت کے ساتھ جاتے جاتے بھی اس سے خیر خواہی کا اظہار کر دیا۔

اس واقعے سے سب سے اہم سبق یہ ملتا ہے کہ دعوت کا آغاز اپنے گھر سے ہونا چاہیے کیونکہ اس وقت اگر چہ پورا معاشرہ بت پرستی میں مبتلا تھا مگر حضرت ابراہیم نے دعوت کی ابتدا معاشرے کے دیگر افراد سے کرنے کے بجائے اپنے ہی گھر سے کی۔ دعوتی نقطۂ نظر سے یہ پورا واقعہ بڑا پر مغز ہے۔ یہ واقعہ عہد حاضر کے مبلغین سے اپنے دامن میں جھانکنے اور اپنے دعوتی ڈھنگ کے احتساب کا تقاضہ بھی کرتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس پر آشوب دور میں جب کہ نفس پسندی عام ہوگئی ہے، دلوں میں اخلاص کی جگہ شہرت کی طلب نے لے لی ہے، خلق خدا سے علما کا تعلق 'دعوتی' ہونے کے بجائے صرف نذرانے کی تھیلیوں کے تبادلے تک محدود ہوگیا ہے۔ احکام الٰہی سے بے اعتنائی بڑھتی جا رہی ہے، ایسے ماحول میں ایسے افراد کی ضرورت ہے، جو براہیمی نسبت کے حامل ہوں۔ جن کا سینہ عشق الٰہی کی آماجگاہ ہو۔ اللہ کے احکام کے آگے جن کی پیشانیاں خم ہوں، رب ہی کو پانا جن کی زندگی کا مقصد ہو۔ رب کے لیے سب کچھ قربان کر دینے کے جذبے سے جن کا سینہ موج زن ہو۔ ملامت کرنے والوں کی ملامتیں جن کو حق کے اظہار سے باز نہ رکھ سکیں۔ جو دعوت کے میدان میں ہر سختی کا جواب نرمی سے دے سکیں۔ جن کی زندگی اللہ کی موجودگی کا احساس کرا رہی ہو۔ جو گفتار و کردار میں اللہ کی برہان ہوں۔ جو ''اشد حباً للہ'' کی چلتی پھرتی تصویر ہوں۔ ہر زمانے میں اقامت دین اور نفاذ شریعت کا کام ایسے ہی دیوانوں کے ذریعے انجام پایا ہے اور جب کبھی کوئی صنم کدہ آباد ہوا ہے تو قدرت نے کسی ابراہیم کو بھیجا ہے، یہ دور بھی اپنے براہیم کی تلاش میں ہے...

✵✵✵

السعی منا والشفاء من اللہ

یونانی دواؤں کے ذریعے پیچیدہ و کہنہ امراض کے تشفی بخش علاج کے لیے رابطہ کریں:

حکیم سرفراز حسین

امام سنی جامع مسجد، چمڑا بازار، مین روڈ دھاراوی ممبئی-17

موبائل: 09819291874

اصغر علی مصباحی

قربانی: قرب الٰہی کا ذریعہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (کوثر)

اپنے رب کے لیے نماز ادا کریں اور قربانی کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں نماز اور قربانی کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے جس طرح نماز ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح قربانی کرنا بھی ضروری ہے، ہاں! یہ فرق ضرور ہے کہ نماز ادا کرنا ہر مسلمان مرد اور خاتون پر ضروری ہے، خواہ مالدار ہو یا غریب۔ لیکن قربانی کرنا ہر مسلمان پر ضروری نہیں ہے، بلکہ جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا اس کی قیمت ہو، اسی پر قربانی واجب ہے لیکن کوئی اگر نفلی طور پر قربانی کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے۔

قربانی کی فضیلت اور اس کی اہمیت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کا بہتر طریقہ ہے، اس لیے ایک مومن بندے کے لیے اس سے بڑی دولت اور کیا ہوگی کہ اس کو قربانی کے ذریعے اللہ کی رضا حاصل ہو رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ قربانی خوش دلی کے ساتھ کرنے کا حکم ہے، حدیث پاک میں ہے:

مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ يَوْمَ النَّحْرِ عَمَلًا أَحَبَّ إِلَى عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ هِرَاقَةِ دَمٍ. وَإِنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَأَظْلَافِهَا وَأَشْعَارِهَا. وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَّقَعَ عَلَى الْأَرْضِ. فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔

(ابن ماجہ، کتاب الاضاحی)

ترجمہ: قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو انسان کا کوئی عمل قربانی کرنے سے زیادہ پسند نہیں اور قربانی کا چوپایہ قیامت کے دن اپنی سینگ، بال اور کھر کے ساتھ آئے گا اور جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی وہ اللہ کی بارگاہ میں مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، اس لیے قربانی خوش دلی کے ساتھ کرو۔

پھر یہ کہ آدمی کی یہ تمنا اور خواہش ہوتی ہے کہ وہ جہنم سے نجات پا جائے اور اُسے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جلنا نہ پڑے، لہٰذا جو لوگ اس مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں وہ قربانی ضرور کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

جس نے خوش دلی سے طالب ثواب ہو کر قربانی کی وہ (تو اس کے لیے وہ قربانی) آتش جہنم سے حجاب ہو جائے گی۔

(معجم کبیر، رقم: ۲۷۳۶)

ایک دوسری حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا:

اے فاطمہ! جانور کی قربانی کے وقت کھڑی رہو، کیونکہ جب اس جانور کے گردن کے خون کا پہلا قطرہ گرے گا تو

تمہارے سارے گناہ معاف کردیے جائیں اور اس وقت یہ پڑھنا: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ.

(سنن کبری، باب ما یستحب من ذبح)

غور کیجئے کہ جب قربانی کرنے سے سارے گناہ معاف ہو جا رہے ہیں تو پھر کون بدنصیب ہوگا جو اپنے سارے گناہ معاف نہیں کروانا چاہے گا، لہٰذا یہ موقع غنیمت ہے، قربانی کر کے اپنے سارے گناہ معاف کروالیں، پھر یہ کہ اس دن قربانی پر خرچ کیا گیا روپیہ اللہ کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

”جو روپیہ عید کے دن قربانی میں خرچ کیا گیا اس سے زیادہ کوئی روپیہ پیارا نہیں۔“ (معجم کبیر، رقم: ۱۰۹۴)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کو قربانی کرنے کی ذمے داری عطا کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۭ (۳۴) (حج)

ترجمہ: ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک طریقہ مقرر فرمایا ہے تاکہ وہ جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں دے رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت محمدیہ پر بھی کرم فرمایا اور اس کو بھی قربانی کا حکم دیا، تاکہ یہ امت بھی قربانی کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ أَيَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشَرَةِ. (سنن ترمذی، العمل فی ایام العشر)

ترجمہ: ان دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کو عمل صالح جتنا محبوب ہے، اتنا دوسرے کسی اور دنوں میں نہیں۔

یعنی ان دس دنوں میں سب سے زیادہ محبوب عمل قربانی کرنا ہے، لہٰذا وہ انسان بڑا بدنصیب ہے جو اس مبارک مہینہ کو پانے کے بعد بھی قربانی نہ کرے، ایسے شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ لَهٗ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا.

(ابن ماجہ، کتاب الاضاحی)

ترجمہ: جو قربانی کر سکتا ہو اور وہ نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ قربانی نہ کرنے والوں کو کس قدر سخت وعید سنائی جا رہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں پر کس قدر برہمی کا اظہار فرما رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود کچھ ناعاقبت اندیش لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان پر قربانی واجب ہوتی ہے مگر یہ کہہ کر بری الذمہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہر سال قربانی تو کرتے ہی ہیں، اگر اس سال نہ کیا تو کیا حرج ہے، ایسے لوگ سخت گنہگار رہیں، کیونکہ جو مالک نصاب ہیں ان پر ہر سال قربانی واجب ہے۔

اسی طرح کچھ نادان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان پر قربانی

واجب ہوتی ہے مگر وہ اپنی جانب سے قربانی نہ کر کے اپنے وفات شدہ باپ دادا کے نام سے قربانی کرتے ہیں؛ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جب اس پر قربانی واجب ہے تو پہلے وہ اپنی جانب سے قربانی کرے، پھر اگر چاہے تو وہ نفلی طور پر کسی اور کی جانب سے قربانی کرے، ورنہ اگر وہ اپنی جانب سے نہیں کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔

آج کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ان کی مرضی ہوتی ہے تو وہ قربانی کرتے ہیں اور جب مرضی نہیں ہوتی تو نہیں کرتے، ایسے لوگ سخت گھاٹے میں ہیں، کیونکہ قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت ہے جو امت محمدیہ پر واجب ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَاهٰذِهِ الْأَضَاحِي ؟ قَالَ: سُنَّةُ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ. قَالُوْا: فَمَا لَنَا فِيْهَا ؟ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ. قَالُوْا: فَالصُّوْفُ ؟ يَا رَسُوْلَ اللهِ: قَالَ: بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ. (سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی)

ترجمہ: یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرام نے پھر عرض کیا: اس میں ہمارا کیا فائدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔

پھر عرض کیا گیا: یارسول اللہ! اور بھیڑ کے بال کے بدلے؟ آپ نے فرمایا: اور بھیڑ کے ہر بال کے برابر بھی نیکی ہے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ و السلام کی سنت ہے اور دوسری متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ قربانی کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عمل ہے۔ اب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اعراض کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى. قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَنْ يَّأْبَى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى. (بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ)

ترجمہ: منکرین کو چھوڑ میری پوری امت جنت میں داخل ہو جائے گی، صحابہ کرام نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! منکرین کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ منکرین میں سے ہوا۔

لہٰذا ہم سب کو چاہیے کہ اگر ہم پر قربانی واجب ہے تو ضرور قربانی کریں تا کہ جہنم میں جانے سے محفوظ رہیں۔

●●●

حیا جسم کی زینت ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
ایمان خالی جسم ہے، تقویٰ اس کا لباس، حیا اس کی زینت اور معرفت الٰہی اس کا پھل ہے۔

فضلائے مدارس کے لیے سنہرا موقع

بی،اے۔بی،کام۔بی،ایس سی،اورایم،اے،اردو،انگریزی اور تاریخ کے علاوہ

اب ایم،اے،اسلامک اسٹڈیز (M.A.Islamic Studies) بھی کر سکتے ہیں مدارس کے فضلا

جامعہ اشرفیہ،ندوۃ العلما،دارالعلوم دیوبند،جامعہ نظامیہ،حیدرآباد،مغربی بنگال مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، بنگال،اترپردیش مدرسہ ایجوکیشنل بورڈ،اترپردیش وغیرہ کے فضلا اور بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ،بہار کے عالم یا کسی بھی مسلمہ یونیورسٹی سے بی،اے پاس داخلہ کے مجاز ہیں۔

مزید تفصیلات اور داخلے کے لیے آج ہی رابطہ کریں:

سید محمد فرقان سعیدی

اسٹڈی سینٹر (019)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی،حیدرآباد

جامعہ عارفیہ،سید سراواں،کوشامبی (الہ آباد)

08081109914, 09026981216, 09335292771

manuusc019@gmail.com

mmrahmanalimi@gmail.com

آپ کے SMS

خضر راہ کے تازہ شمارہ میں جناب ذیشان احمد نے ہلال عید سے متعلق بہترین دلیل کے ساتھ اپنے موقف کی وضاحت کر دی ہے جس سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔

کاش! مفتی صاحبان کو یہ باتیں سمجھ میں آجاتیں اور قوم انتشار سے بچ جاتی۔

ڈاکٹر عرفان نجف، نیم سرائے، الہ آباد

مکرمی سلام مسنون!

یقین کریں کہ جوں ہی ''ماہنامہ خضر راہ'' پر میری نظر پڑی، خوشیوں کی انتہا نہ رہی۔ آپ حضرات کو بے حد مبارک باد۔

الحمد للہ! اس رسالے کے سارے مضامین پسند آئے، لیکن ''توحید! انسانیت کے نام پہلا آسمانی پیغام، حدیث موضوع: تعریف و تفہیم، نجات کے رہنما اصول، کیا اعمال صالحہ صرف رمضان کے لیے ہیں؟ اور مولانا اصغر علی مصباحی کے مضامین خصوصی طور پر اچھے اور اپنی مثال آپ ہیں۔

اس طرح کے مضامین سے خالص دینی باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں جو صحیح معنوں میں شریعت و طریقت، علم و ادب اور اخلاق و روحانیت کے سنگم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''ماہنامہ خضر راہ'' نے بڑی قلیل مدت میں اپنی ایک منفرد شناخت قائم کی ہے اور عالمی شہرت یابی کا سامان مہیا کیا ہے۔

دعا ہے کہ یہ رسالہ شریعت و طریقت کے تبلیغ و اشاعت میں بھرپور کردار ادا کرے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

امان اللہ محمدی، داراپٹی، مظفر پور، بہار

اگست کا ماہنامہ ''خضر راہ'' کا شمارہ ملا، پڑھ کر بے حد خوشی محسوس ہوئی۔ ماہنامہ کے تمام مضامین بہت پسند آئے اور خاص کر مولانا غلام مصطفیٰ ازہری صاحب کا مضمون ''حدیث موضوع: تعریف و تفہیم'' بہت پسند آیا۔ اللہ خضر راہ کو اور ترقی عطا فرمائے اور حضور داعی اسلام کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔

انجینئر عبد العظیم، شاہجہاں پور، یوپی

''خضر راہ'' کے سبھی اراکین کو دلی محبت سے سلام کرتا ہوں، میں جب سے پڑھنے لگا ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی سوکھے پیڑ پر ہر روز پانی ڈال کر ہرا بھرا کر رہا ہے۔

''خضر راہ'' پڑھنے سے پتہ یہ چلتا ہے کہ کوئی ہمارے ایمان پر خضر راہ دے کر ایمان کو تر و تازہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کتاب کی حفاظت فرمائے۔

عتیق الرحمٰن، ویسٹ بنگال

مکرم ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

یوں تو جولائی کے شمارے میں ''عرفانی مجلس'' سے آخر

تک کے پندرہوں مضامین بہتر ہیں۔سب سے پہلے حضور داعی اسلام ادام اللہ ظلہ علینا کا بیان'' دنیا سائے کی طرح ہے۔'' بہت پر کشش ہے۔آخر میں صدقہ فطر کے متعلق مولانا جہاں گیرحسن مصباحی کا مضمون۔

اگلے ماہ قربانی سے متعلق معلومات فراہم کریں۔توحید کے متعلق آپ نے بیان کیااس کے لیے بھی شکریہ۔

پرویز اختر،فیضان اشرف،آرہ،بہار

محترم ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم!

ماہ اگست ۲۰۱۳ کا شمارہ ملا،پڑھ کرخوشی ہوئی۔لیکن ''کیریئر گائڈنس''میں اسپلنگ کی غلطی دیکھ کررنجیدہ بھی ہوا۔

ابوظفر،آسنسول

السلام علیکم!

میں''خضرراہ''جنوری ۲۰۱۳ سے پڑھ رہا ہوں،اس کے مضمون بہت اچھے لگے۔برائے مہربانی اسے ہندی میں بھی شائع کریں۔

محمدرضاناصر،اوبرا،اورنگ آباد

''خضر راہ''پہلی بارنظروں سے گزرا،ماشا اللہ ورق ورق پہ قرآن وحدیث کے جلوے نظرآئے۔

اللہ کرے زورقلم اورزیادہ۔

محسن دیناجپوری،انجمن فروغ علم وادب،دیناجپور

آپ ہمیں اپنے sms سیل فون کے ذریعے بھیجیں
Mobile: 9312922953, 9910865854

ماہنامہ خضر راہ کے نئے قارئین کے لیے ایک خوشخبری

شاہ صفی اکیڈمی کی جانب سے خوبصورت اور مضبوط جلد میں

پرانے شماروں کا مجموعہ

قیمت: 300/روپے

آرڈر بک کرانے کے لیے رابطہ کریں:

ماہنامہ خضر راہ،جامعہ عارفیہ،سید سراواں،کوشامبی (الہ آباد) یوپی۔پن کوڈ:212213

Mob: +91-7860604036 / +91-9312922953

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آغاز	شروع، ابتدا	جانبین	دوفریق
آیت رحمت	رحمت کی نشانی	حق تلفی	حق مارنا
ابہام	پوشیدہ ہونا	حائل	رکاوٹ
اجمالاً	مختصر طور پر	حدود، حد کی جمع	قانون، دائرہ
اختلاط	دومخالف جنس کا ملنا	دادرسی	مدد کو پہنچنا، انصاف کرنا
ادوار، دور کی جمع	زمانہ، عہد	دعاۃ، داعی کی جمع	دین کی دعوت دینے والے افراد
ارتکاب	جرم کرنا	دیومالائی	سمجھ میں نہ آنے والے
ازالہ	دور کرنا، ختم کرنا	دوراندیش	عمل کے ہر پہلو پر غور کرنے والا
استطاعت	طاقت، قدرت	رسالت محمدی	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا
استخارہ	کوئی کام کرنے سے پہلے فال نکالنا	رسائی	پہنچ
اصحاب حل وعقد	ذمے دار افراد	رضاجوئی	رضا کی تلاش
اعتراف	مان لینا، تسلیم کرلینا	زائل	ختم ہونے والا
اعراف	جنت وجہنم کے درمیان ایک جگہ	زرتشت	پارسیوں کے پیشوا
انتخاب	چنا ہوا	رمز	اشارہ
انحصار	دارومدار	روزافزوں	دن بہ دن، روزانہ
ایمان بالرسالۃ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنا	روگردانی	نافرمانی، منہ موڑنا
بری الذمہ	کسی ذمے داری سے آزاد ہونا	سندحدیث	حدیث بیان کرنے والوں کا سلسلہ
پائے استقلال	حوصلہ، ہمت	سنگ سار	پتھر مارنا
تجہیز وتکفین	میت کو غسل اور کفن دینا	سلیم الفطرت	شریف طبیعت کا مالک
تربت	قبر	شارع	شریعت بنانے والا، مراد اللہ تعالیٰ کی ذات
توقع	امید	شہبازِ طریقت	طریقت میں اونچا مقام رکھنے والا

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
شیوہ	عادت، خصلت	متوسطین	بیچ کے درجے کے لوگ
ضرر	نقصان	محکم آیات	واضح آیات، جس میں کوئی شک نہ ہو
طفولیت	بچپن	مدعیٔ نبوت	نبی ہونے کا دعوی کرنے والا
ظن غالب	گمان غالب	مسیح دجّال	ایک بازشخص جو آخری زمانے میں ظاہر ہوگا
عابدومعبود	بندہ اور اللہ تعالیٰ	مسودے	وہ تحریر جو بطور خاکہ لکھی گئی ہو
عدوِّحق	اللہ کا دشمن	مسیلمہ کذاب	ایک شخص جس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا
عادل	انصاف کرنے والا	مشروع	شریعت میں جس کی اجازت ہو
غلغلہ	شہرہ	مصالح	مصلحت، وہ باتیں جس میں فائدے ہوں
عین ایمان	ہوبہو ایمان	مضافات	آس پاس کا علاقہ
کذاب	بہت بڑا جھوٹا	مطلع	باخبر
فاسق	فسق میں مبتلا رہنے والا	مطلقہ	جس کو طلاق دیا گیا ہو
فاجر	برائی کرنے والا	معقولیت	کسی بات کا جو عقل کے مناسب ہونا
فرسنگ	ایک کوس کا فاصلہ	معلم الملکوت	فرشتوں کا استاذ
قصاص	قتل کا بدلہ	مقلب القلوب	دلوں کو بدلنے والا، مراد اللہ کی ذات
قلزم	سمندر	مکالمہ	آپس کی گفتگو، ڈائیلاگ
کدورت	دل کی گندگی	منتہی	آخری منزل تک پہنچنے والا
کلمۂ خیر	اچھی بات	ناپید	جو کم پایا جاتا ہو
مبتدئین	ابتدائی درجے کے لوگ	نایاب	جس کا ملنا مشکل ہو
متاع	سامان	مفاسد	بگاڑ پیدا کرنے والے
متزلزل	ہلتا ہوا، ڈگمگاتا ہوا	وضاع	گڑھنے والا، مراد حدیث گڑھنے والا
متصل	ملا ہوا	وضع ظنی	جس کے گڑھنے کا یقین نہ ہو، بلکہ گمان غالب ہو
متن حدیث	حدیث کے وہ الفاظ جو حضور نے فرمائے		

نوٹ: مذکورہ بالا الفاظ کے معانی ومفاہیم مشمولہ مضامین کے معانی ومفاہیم کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔

ماہنامہ خضر راہ حاصل کرنے کے پتے

الہ آباد واطراف

ابومیانز شاہی اسٹور (نرالا سویٹ ہاؤس) نوراللہ روڈ، الہ آباد-9839457055
محمد قیس خان، ممتاز العلوم، تمنّی، کوشامبی۔9936890704
محمد زبیر عالم، گریاواں، منصورآباد، الہ آباد-9795252994
مکتبہ نور، نوراللہ روڈ، الہ آباد-9415646355
محمدیہ بک ڈپو، اسٹیشن روڈ، کھاگا فتحپور۔9936958324
محمد امتیاز، کنڈا، پرتاپ گڑھ، یوپی-8808646082
مولانا منور حسین، سمنان گارڈن، لکھنؤ-9889245245
فیاض الحسن بک سیلر، نئی سڑک، کانپور، 9936805213
عمران احمد، بابوپوروا، کانپور، 9839101833
منظور الحسن نیوز پیپر ایجنٹ، شاپ نمبر 6، بیپر مارکیٹ، کانپور، 8960539848
مدرسہ فیض العلوم صابریہ، گاندھی نگر، آگرہ-9286192523
حافظ محمد ظہیر، شکارپور روڈ، بلند شہر۔9058220141

ممبئی واطراف

حکیم سرفراز حسین، سنی جامع مسجد، دھاراوی، ممبئی-9819291874
شیخ جاوید اقبال، شیلیس نگر، ممرا، مہاراشٹر-9322865066
محمد ابراہیم، شولاپور، مہاراشٹر-9421067863
ابراہیم، منگل گیری، شولاپور-9421067863
عبدالوہاب، ہاؤسنگ بورڈ، مڈگاؤں، گوا-9763900918
عادل نورانی، الامین مسجد، سلطانیہ جمخانہ، سورت-9879657766
گلشن میڈیکیئر، سکندرآباد، حیدرآباد-27716760
محمد عارف دانش رضوی، زیتون پورہ، بھیونڈی.9823683348
خادم بکڈپو، پراسیا، چندواڑہ، ایم پی-9039090386
محمد ہاشم، دارالعلوم فیض صدیقیہ، سوجا شریف، باڑمیر، راجستھان

جنوبی ہند واطراف

محمد سلمان، سلاگٹہ، چکبالم پور، کرناٹک-9880095263
مولانا مشتاق، بیلگام، کرناٹک-8147449067
عزیز صدیق احمد، H.K.P. روڈ، بنگلور-9343324034
غلام ذوالنورین، حسینی مسجد، بیکانیر-9460172623
قریشی نیوز ایجنسی، درجک سنیما روڈ، راورکیلا، اڑیسہ 9439499458
حافظ شبیر شاداب، دُرگ، چھتیس گڑھ-7869230382
روشن درسی کتب خانہ، موتی نالہ، جبل پور-9752705786

دہلی واطراف

خواجہ بک ڈپو، مٹیامحل، جامع مسجد، دہلی۔9910865854
راجا اسٹیشنری، شاہین باغ، Ext روڈ، نئی دہلی-9891590739
مولانا شفیق، مسجد عمر فاروق، شاہین باغ، دہلی-9716559786
الجامعۃ الاسلامیہ، جیت پور II، دہلی-9650934740
شاہ صفی اکیڈمی، بٹلہ ہاؤس، دہلی-9910865854
جمال بک ڈپو، بیسمنٹ رحمان کمپلکس، بٹلہ ہاؤس، دہلی۔9990486231
گلاٹی نیوز ایجنسی، بس اسٹینڈ، مہرولی، دہلی۔9250225954
حاجی حبیب اللہ، نیو سیلم پوری، نئی دہلی۔9818225177
جہانگیر محسن بک ڈپو، جامع مسجد روڈ، آگرہ۔7500127143
حافظ ہارون، قلعہ والی مسجد، اٹاوہ، 7417842567

کولکاتا واطراف

نیوز پیپر ایجنٹ، رابندرا سارانی، کولکاتا-9748210140
بک اسٹال، نیو مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتا، 16۔9330643486
خانقاہ نعمتی، مٹیابرج، کولکاتا-09831746380
مدرسہ سلیمیہ، فیض الاسلام، کمرہٹی، کولکاتا-9748421851
نسیم بک ڈپو، کولوٹولہ، کولکاتا-9339422992
رضا بک سینٹر، روشن گلدار لین، تکیہ پارہ، ہاوڑہ-9330462827
نوری بک ڈپو، پاچھورسیا، گنجریا بازار، اتر دیناجپور۔09734035478
انجمن وابستگان سلاسل تصوف، گنجریا، اسلام پور۔08972468561

بہار واطراف

دارالعلوم تاج الشریعہ، مصری گنج، مدھوبنی-9931431786
نوری بک سیلر، پورب چوک، بائسی، پورنیہ۔08986235393
امدادیہ بک ڈپو، جامع مسجد روڈ، ہزاری باغ-9835523993
دلکش بک ڈپو، رام گڑھ، جھارکھنڈ-9798306353
اقبال بک ڈپو، مدرسہ ماکیٹ، اورنگ آباد، 9122471549
مراد علی، بارون بازار، اورنگ آباد، بہار-9507840625
انصار بک ڈپو، بارہ پتھر، ڈہری اون سون-8603741579
مدرسہ عارفیہ سعید العلوم، نہوٹا شیرگھاٹی، گیا-9939479919
رضا بک سیلر، کمپنی باغ، مظفرپور، بہار-9431475679
مکتبہ واجدیہ، قلعہ گھاٹ چوک، دربھنگہ، بہار۔9304514097
عامر نانگبوری، ہاویل روڈ، لابان، شیلانگ، میگھالیہ-8794042067

نوٹ: ایجنسی حاصل کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں: 9312922953

سالانہ ممبرشپ فارم

Annual Subscription Form

SUBSCRIBE TODAY:

Fill in this form with your details for subscription and mail along with your cheque/DD to the following address:

SHAH SAFI ACADEMY

Jamia Arifia, Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad, U.P Pin: 212213

Mob: 9312922953, 08382923993, E-mail: khizrerah@gmail.com

Cheque/DD In favour of, **"SHAH SAFI ACADEMY"**

HDFC Bank A/c No. 22631450000118

Form No. 1

Name:..

Village:..

City..........................State............................ Pin Code..................

Tel. No:.......................................E-mail:..

SUBSCRIPTION FARE:

One Year : 200

Five Years : 900

Form No. 2

Name:..

Village:..

City..........................State............................PinCode:..................

Tel. No:.......................................E-mail:..

SUBSCRIPTION FARE:

One Year : 200

Five Years : 900